حقیقتِ اسلام

ھدیۂ خلوص

بسلسلہ

فہم دین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجاھدھم بہ جہادا کبیرا

اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔

الفرقان ـ ۵۲

حرف آغاز

انسان کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت اور فلاح کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی طرف سے ان پر نازل ہونے والی قطعی ' واضح (بینات) حقیقتوں اور تعلیمات کو سمجھ کر ایمان لائے اور پھر یکسوئی کے ساتھ اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی بندگی بجالائے اور اس کی بندگی کا علمبردار بن کر اس کی راہ میں جہاد کرے۔ بندگی رب اور جہاد فی سبیل اللہ ہی سعادت و فلاح کا واحد راستہ ہے لیکن کیا یہ درست نہیں ہے کہ اس راستہ کی حامل ' داعی ' ذمہ دار اور علمبردار امت محمد ﷺ بحیثیت مجموعی اس سے غافل ہے۔ اس سے غفلت کے نتیجہ میں دنیا پر پھیلی ہوئی بہت بڑی امت مسلمہ جہالت ' اخلاقی بحران ' انتشار ' ہر طرح کے ضعف اور غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

مسلمانو! ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلمانوں میں دین کے حقیقی تصور کی سمجھ پیدا کی جائے ' دین کی ابدی اور لازوال تعلیمات کے مطابق نفوس کا تزکیہ کیا جائے ' اس امت کے اندر امت واحدہ کا تصور اجاگر کیا جائے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت حق پر کھڑا کیا جائے تاکہ جہاں جہاں انسان بستے ہیں وہاں اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کا دین قائم ہو۔

اس عظیم الشان نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے پوری امت کے عوام و خواص میں دین کا فہم عام کرنے کے لیے ایسے عوامی اداروں کا مستحکم نظام بنانے

اور چلانے کی ضرورت ہے جہاں ہر قسم کی عصبیتوں اور فرق و امتیاز سے بالاتر ہو کر عام مسلمانوں اور انسانوں کو ان کے رب سے جوڑ دیا جائے تاکہ ہر جگہ فہم دین اور اقامت دین کی تحریک برپا ہو۔

محض اللہ کی توفیق اور اس کی رحمت سے پاکستان میں ایسے ہی عظیم الشان کام کرنے کا ایک نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چار پانچ دن سے لے کر دس دن تک کے فہم قرآن و سنت کورسز میں' جن کا دورانیہ صبح یا شام کے اوقات میں ڈیڑھ دو گھنٹہ ہوتا ہے' سواڑھائی سو سے لے کر سات آٹھ ہزار مرد و خواتین نے شرکت کی ہے۔ ان کورسز میں تعلیم رد بدودی جاتی ہے' انتہائی عام فہم اور نصیحت آموز ہوتی ہے اس لیے عوام و خواص کی عملی زندگی میں غیر معمولی تبدیلی کے مظاہر دیکھنے میں آئے ہیں۔

فہم دین کے اسی تصور کے مطابق عوام کے لیے ایک ایسے ماڈل ادارے کی ضرورت ہے جہاں شہروں اور بستیوں سے کچھ وقت کے لیے لوگ اس ادارے میں قیام کریں' بہترین علماء اور پاکیزہ ماحول سے دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس اپنے اپنے مقامات پر جا کر داعی الی اللہ کا کردار ادا کریں۔ ان شاء اللہ ایسا ادارہ نہ صرف جہالت کے اندھیروں کو ختم کرے گا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین کے لیے ہر سطح کی لیڈر شپ کا بحران بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ ایسا ایک ادارہ پوری دنیا میں ابلاغ دین اور اقامت دین کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔

آیئے مل کر اس کام کا آغاز کریں۔ اہل دل کی دعائیں اور تعاون ان شاء اللہ رحمت خداوندی کا موجب ہو گا۔

خُطبات

حِصّہ اوّل

حقیقتِ اسلام

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ - اردو بازار، لاہور

کتاب : حقیقت اسلام (خطبات حصہ اول)
مصنف : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
مطبع : ڈے ٹائم پرنٹنگ پریس' لاہور
ناشر : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ'
رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

اشاعت :

پہلی تا دسویں :	(مجموعی تعداد)	۳۱ ہزار
گیارھویں تا اٹھارھویں :	(مجموعی تعداد)	۴۰ ہزار
اکیسویں تا چھبیسویں :	(مجموعی تعداد)	۲۹ ہزار
چھبیسویں :	مارچ ۱۹۹۳ء	۵ ہزار
ستائیسویں :	نومبر ۱۹۹۳ء	۵ ہزار
اٹھائیسویں :	اکتوبر ۱۹۹۴ء	۵ ہزار
انتیسویں :	جولائی ۱۹۹۵ء	۵ ہزار
تیسویں :	جون ۱۹۹۶ء	۵ ہزار
اکتیسویں :	اگست ۱۹۹۷ء	۱۰ ہزار
بتیسویں :	اگست ۱۹۹۸ء	۵ ہزار
تینتیسویں :	مئی ۱۹۹۹ء	۵ ہزار
چونتیسویں :	دسمبر ۱۹۹۹ء	۵ ہزار
پینتیسویں :	جولائی ۲۰۰۰ء	۵ ہزار
چھتیسویں :	اکتوبر ۲۰۰۰ء	۵ ہزار

قیمت : / روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دیباچہ

۱۹۳۸ء میں چند مہینوں تک مجھے مشرقی پنجاب کے ایک دیہاتی علاقے میں رہنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ وہاں مَیں نے جُمعہ کے اجتماعات میں عام مسلمانوں کو دین سمجھانے کے لیے خُطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، اور چونکہ مُخاطب ناخواندہ اور نیم خواندہ لوگ تھے، اِس لیے مَیں نے اِن خُطبات میں زیادہ سے زیادہ عام فہم اور آسان زبان استعمال کی تھی۔ انہیں تعلیم یافتہ لوگ بھی دین سمجھنے کے لیے پڑھ سکتے ہیں اور اپنے اَن پڑھ عوام کو سُنا کر بھی یہ بتا سکتے ہیں کہ ان کا دین اصل میں کیا ہے۔

یہ خطبات پانچ الگ الگ حصّوں میں شائع کیے جا رہے ہیں:

حصّہ اوّل ۔ حقیقتِ اِسلام

حصّہ دوم ۔ حقیقتِ صوم وصلوٰۃ

حصّہ سوم ۔ حقیقتِ زکوٰۃ

حصّۂ چہارم:۔ حقیقتِ حج

حصّۂ پنجم: حقیقتِ جہاد

مجھے اُمّید ہے کہ یہ سلسلہ عوام و خواص سب کے لیے فہمِ دین میں مددگار ہو گا۔

ابو الاعلیٰ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسلمان ہونے کے لیے علم کی ضرورت

برادرانِ اسلام، ہر مسلمان سچے دل سے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں خدا کی سب سے بڑی نعمت اسلام ہے۔ ہر مسلمان اِس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں اس کو شامل کیا اور اسلام کی نعمت اس کو عطا کی۔ خود اللہ تعالیٰ بھی اِس کو اپنے بندوں پر اپنا سب سے بڑا انعام قرار دیتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہُوا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اس بات کو پسند کر لیا کہ تمہارا دین اسلام ہو)۔

یہ احسان جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا ہے، اِس کا حق ادا کرنا آپ پر فرض ہے، کیونکہ جو شخص کسی کے احسان کا حق ادا نہیں کرتا وہ احسان فراموش ہوتا ہے اور سب سے بدتر احسان فراموشی یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے احسان کا حق بھول جائے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ خدا کے احسان کا حق کس طرح ادا کیا جائے؟ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ جب خدا نے آپ کو اُمتِ محمدیہ میں شامل کیا ہے

تو اُس کے اِس احسان کا صحیح شکریہ یہ ہے کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پُورے پیرو بنیں جب خدا نے آپ کو مسلمانوں کی ملت میں شامل کیا ہے تو اس کی مہربانی کا حق آپ اِسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ آپ پُورے مسلمان بنیں۔ اِس کے سوا خدا کے اِس احسانِ عظیم کا حق آپ اور کسی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ اور یہ حق اگر آپ نے ادا نہ کیا تو جتنا بڑا خدا کا احسان ہے اُتنا ہی بڑا اُس کی اِحسان فراموشی کا وبال بھی ہوگا۔ خدا ہم سب کو اِس وبال سے بچائے۔ آمین۔

اس کے بعد آپ دوسرا سوال یہ کریں گے کہ آدمی پُورا مسلمان کس طرح بن سکتا ہے؟ اس کا جواب بہت تفصیل چاہتا ہے اور آئندہ جُمعہ کے خُطبوں میں اِسی کا ایک ایک جُز آپ کے سامنے پُوری تشریح کے ساتھ بیان کیا جائیگا۔ لیکن آج کے خُطبے میں مَیں آپ کے سامنے وہ چیز بیان کرتا ہُوں جو مسلمان بننے کے لیے سب سے مُقدّم ہے، جس کو اس راستہ کا سب سے پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔

ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچیے کہ آپ مُسلمان کا لفظ جو بولتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان ماں کے پیٹ سے "اسلام" ساتھ لیکر آتا ہے؟ کیا ایک شخص صرف اِس بنا پر مسلمان ہوتا ہے کہ وہ مُسلمان کا بیٹا اور مُسلمان کا پوتا ہے؟ کیا مسلمان بھی اُسی طرح مُسلمان پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک برہمن کا بچّہ برہمن پیدا ہوتا ہے، ایک راجپُوت کا بیٹا راجپوت، اور ایک شُودر کا لڑکا

شُودر؟ کیا مسلمان کسی نسل یا ذات برادری کا نام ہے کہ جس طرح ایک انگریز کسی انگریز کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے انگریز ہوتا ہے، اور ایک جاٹ، جاٹ قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے جاٹ ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان صرف اس وجہ سے مسلمان ہو کہ وہ مسلمان نامی قوم میں پیدا ہُوا ہے؟ یہ سوالات جو مَیں آپ سے پُوچھ رہا ہُوں اِن کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ نہیں صاحب! مسلمان اِس کو نہیں کہتے۔ مسلمان نسل کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اِسلام لانے سے مسلمان بنتا ہے، اور اگر وہ اسلام کو چھوڑ دے تو مسلمان نہیں رہتا۔ ایک شخص خواہ برہمن ہو یا راجپوت، انگریز ہو یا جاٹ، پنجابی ہو یا حبشی، جب اُس نے اسلام قبول کیا تو وہ مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہُوا ہے، اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا، چاہے وہ سیّد کا بیٹا ہو یا پٹھان کا۔

کیوں حضرات آپ میرے سوالات کا یہی جواب دیں گے نا؟ اچھا تو اب خود آپ ہی کے جواب سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت یعنی مسلمان ہونے کی نعمت جو آپ کو حاصل ہے، یہ کوئی نسلی چیز نہیں ہے کہ ماں باپ سے وراثت میں یہ خود بخود آپ کو حاصل ہو جائے اور خود بخود تمام عمر آپ کے ساتھ لگی رہے، خواہ آپ اس کی پروا کریں یا نہ کریں بلکہ یہ ایسی

نعمت ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے خود آپ کی کوشش شرط ہے۔ اگر آپ کوشش کرکے اِسے حاصل کریں تو آپ کو مل سکتی ہے اور اگر آپ اس کی پروا نہ کریں تو یہ آپ سے چھن بھی سکتی ہے، معاذاللہ۔

اب آگے بڑھیے۔ آپ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام لانے کا مطلب کیا ہے؟ کیا اسلام لانے کا یہ مطلب ہے کہ جو آدمی بس زبان سے کہہ دے کہ مَیں مسلمان ہُوں یا مسلمان بن گیا ہُوں وہ مسلمان ہے؟ یا اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک برہمن پُجاری بغیر سمجھے بُوجھے سنسکرت کے چند منتر پڑھتا ہے اسی طرح ایک شخص عربی کے چند فقرے بغیر سمجھے بُوجھے زبان سے ادا کردے اور بس وہ مسلمان ہوگیا؟ آپ خود بتلائیے کہ اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے ناکہ اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو تعلیم دی ہے اس کو آدمی جان کر، سمجھ کر، دل سے قبول کرے، اور اس کے مطابق عمل کرے۔ جو ایسا کرے وہ مسلمان ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

یہ جواب جو آپ دیں گے، اس سے خود بخود یہ بات کھُل گئی کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔ ایک شخص علم کے بغیر برہمن ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ برہمن پیدا ہُوا ہے اور برہمن ہی رہے گا۔ ایک شخص علم کے بغیر جاٹ ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ جاٹ پیدا ہُوا ہے اور جاٹ ہی رہے گا۔ مگر

ایک شخص علم کے بغیر مُسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ مُسلمان پیدائش سے مسلمان نہیں ہُوا کرتا بلکہ علم سے ہوتا ہے۔ جب تک اُس کو یہ علم نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے، وہ اُس پر ایمان کیسے لا سکتا ہے اور اس کے مطابق عمل کیسے کر سکتا ہے؟ اور جب وہ جان کر اور سمجھ کر ایمان ہی نہ لایا تو مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟ پس معلوم ہُوا کہ جہالت کے ساتھ مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا غیر ممکن ہے۔ ہر شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہُوا ہے جس کا نام مسلمانوں کا سا ہے، جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے، اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان درحقیقت صرف وہ شخص ہے جو اسلام کو جانتا ہو اور پھر جان بوجھ کر اس کو مانتا ہو۔ ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق نام کا نہیں ہے کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبداللہ، اس لیے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ اسی طرح ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق لباس کا بھی نہیں ہے کہ وہ دھوتی باندھتا ہے اور یہ پاجامہ پہنتا ہے، اس لیے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ بلکہ اصلی فرق ان دونوں کے درمیان علم کا ہے۔ وہ کافر اس لیے ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ خداوندِ عالم کا اُس سے اور اس کا خداوندِ عالم سے کیا تعلق ہے، اور خالق کی مرضی کے مطابق دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ کیا ہے۔ اگر یہی حال ایک مسلمان کے بچے کا بھی ہو تو بتاؤ کہ اس میں اور ایک کافر میں کس چیز کی بنا پر فرق کرتے ہو، اور کیوں یہ کہتے ہو کہ وہ تو کافر ہے اور یہ

مُسلمان ہے ؟

حضرات، یہ بات جو مَیں کہہ رہا ہُوں اِس کو ذرا کان لگا کر سُنیے اور ٹھنڈے دل سے اِس پر غور کیجیے۔ آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت، جس پر آپ شکر اور احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں، اِس کا حاصل ہونا اور حاصل نہ ہونا، دونوں باتیں علم پر موقوف ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو بھی جائے تو جہالت کی بنا پر ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت اُس کے ہاتھ سے چلی جائے گی محض نادانی کی بنا پر وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتا رہے گا کہ میں ابھی تک مُسلمان ہوں، حالانکہ درحقیقت وہ مُسلمان نہ ہو گا۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کُفر میں کیا فرق ہے، اور اسلام اور شرک میں کیا امتیاز ہے اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ سیدھی لکیر پر چلتے چلتے خود اس کے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ جائیں اور اس کو خبر بھی نہ ہو کہ مَیں سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہُوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راستے میں کوئی دجّال کھڑا ہُوا مل جائے اور اس سے کہے کہ ارے میاں! تم اندھیرے میں راستہ بھُول گئے، آؤ مَیں تمہیں منزل تک پہنچا دُوں۔ بیچارہ اندھیرے کا مسافر خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ سیدھا راستہ کونسا ہے۔ اِس لیے نادانی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس دجّال کے ہاتھ

میں ڈے دے گا اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی لیئے تو پیش آتے ہیں کہ اس کے پاس خود کوئی روشنی نہیں ہے اور وہ خود اپنے راستے کے نشانات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اس کے پاس روشنی موجود ہو تو ظاہر ہے کہ نہ وہ راستہ بھُولے گا اور نہ کوئی دُوسرا اُس کو بھٹکا سکے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیجیے کہ مسلمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہو، خود یہ نہ جانتا ہو کہ قرآن کیا سکھاتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اِس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجّال بھی اس کو بھٹکا سکتے ہیں لیکن اگر اُس کے پاس علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھ سکے گا، ہر قدم پر کُفر اور شرک اور گمراہی اور فِسق و فُجور کے جو ٹیڑھے راستے بیچ میں آئیں گے اُن کو پہچان کر اُن سے بچ سکے گا، اور جو کوئی راستے میں اس کو بہکانے والا ملے گا تو اس کی دو چار باتیں ہی سُن کر وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ بہکانے والا آدمی ہے، اِس کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔

بھائیو، یہ علم جس کی ضرورت مَیں آپ سے بیان کر رہا ہوں، اسی پر تمہارے اور تمہاری اولاد کے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا انحصار ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ اس سے بے پروائی کی جائے۔ تم اپنی کھیتی باڑی کے

کام میں غفلت نہیں کرتے، اپنی زراعت کو پانی دینے اور اپنی فصلوں کی حفاظت کرنے میں غفلت نہیں کرتے، اپنے مویشیوں کو چارہ دینے میں غفلت نہیں کرتے، اپنے کاروبار اور پیشے کے کاموں میں غفلت نہیں کرتے، محض اس لیے کہ اگر غفلت کروگے تو بھوکے مرجاؤگے اور جان جیسی عزیز چیز ضائع ہوجائیگی۔ پھر مجھے بتاؤ کہ اُس علم کے حاصل کرنے میں کیوں غفلت کرتے ہو جس پر تمہارے مسلمان بننے اور مُسلمان رہنے کا دارومدار ہے؟ کیا اس میں یہ خطرہ نہیں کہ ایمان جیسی عزیز چیز ضائع ہوجاتے گی؟ کیا ایمان، جان سے زیادہ عزیز چیز نہیں ہے؟ تم جان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے جتنا وقت اور جتنی محنت صرف کرتے ہو کیا اُس وقت اور محنت کا دسواں حصہ بھی ایمان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے صرف نہیں کرسکتے؟

مَیں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص مولوی بنے، بڑی بڑی کتابیں پڑھے اور اپنی عمر کے دس بارہ سال پڑھنے میں صرف کردے۔ مُسلمان بننے کے لیے اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں صرف یہ چاہتا ہُوں کہ تم میں کا ہر شخص رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ علمِ دین سیکھنے میں صرف کرے۔ کم از کم اُتنا علم ہر مسلمان بچے اور بوڑھے اور جوان کو حاصل ہونا چاہیے کہ قرآن جس مقصد کے لیے اور جو تعلیم لے کر آیا ہے اس کا لُبِّ لُباب جان لے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لیے اور اُس کی جگہ جو چیز قائم کرنے کے لیے

تشریف لائے تھے اس کو خوب پہچان لے، اور اُس خاص طریقِ زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ اِتنے علم کے لیے کچھ بہت زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایمان عزیز ہو تو اس کے لیے ایک گھنٹہ روز نکالنا کچھ مشکل نہیں۔

مُسلم اور کافر کا اصلی فرق

برادرانِ اسلام، ہر مُسلمان اپنے نزدیک یہ سمجھتا ہے اور آپ بھی ضرور ایسا ہی سمجھتے ہوں گے کہ مُسلمان کا درجہ کافر سے اُونچا ہے۔ مسلمان کو خدا پسند کرتا ہے اور کافر کو ناپسند کرتا ہے۔ مُسلمان خدا کے ہاں بخشا جائے گا اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ مسلمان جنّت میں جائے گا اور کافر دوزخ میں جائے گا۔ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اِس بات پر غور کریں کہ مُسلمان اور کافر میں اتنا بڑا فرق آخر کیوں ہوتا ہے؟ کافر بھی آدمؑ کی اولاد ہے اور تم بھی۔ کافر بھی ایسا ہی انسان ہے جیسے تم ہو۔ وہ بھی تمہارے ہی جیسے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان رکھتا ہے۔ وہ بھی اِسی ہوا میں سانس لیتا ہے۔ یہی پانی پیتا ہے۔ اِسی زمین پر بستا ہے یہی پیداوار کھاتا ہے۔ اِسی طرح پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح مرتا ہے۔ اُسی خدا نے اُس کو بھی پیدا کیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے پھر آخر کیوں اُس کا درجہ نیچا ہے اور تمہارا اونچا؟ تمہیں کیوں جنّت ملے گی اور وہ کیوں دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

یہ بات ذرا سوچنے کی ہے۔ آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق صرف اتنی

سی بات سے تو نہیں ہو سکتا کہ تم عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے پکارے جاتے ہو اور وہ دین دیال اور کرتار سنگھ اور رابرٹسن جیسے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یا تم ختنہ کراتے ہو اور وہ نہیں کراتا۔ یا تم گوشت کھاتے ہو اور وہ نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ جس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور جو سب کا پروردگار ہے ایسا ظلم تو کبھی نہیں کر سکتا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی مخلوقات میں فرق کرے اور ایک بندے کو جنت میں بھیجے اور دُوسرے کو دوزخ میں پہنچا دے۔

جب یہ بات نہیں ہے تو پھر غور کرو کہ دونوں میں اصلی فرق کیا ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ دونوں میں اصلی فرق اسلام اور کُفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی خدا کی فرماں برداری کے ہیں، اور کُفر کے معنی خدا کی نافرمانی کے۔ مسلمان اور کافر دونوں انسان ہیں۔ دونوں خدا کے بندے ہیں۔ مگر ایک انسان اس لیے افضل ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے، اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرتا ہے۔ اور دوسرا انسان اس لیے اُونچے درجہ سے گر جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کی فرمانبرداری نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مسلمان سے خدا خوش ہوتا ہے اور کافر سے ناراض۔ مسلمان کو جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کافر کو کہتا ہے کہ دوزخ میں ڈالوں گا۔

پس معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں ایک علم، دوسرے عمل۔ یعنی پہلے تو اُسے یہ جاننا چاہیے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ پھر جب یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مالک کا غلام بنا دے، جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اس کو چھوڑ دے۔ اگر اُس کا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اس کے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ مانے اور مالک کی بات مان لے۔ اگر ایک کام اُس کو اچھا معلوم ہوتا ہو اور مالک کہے کہ وہ بُرا ہے، تو اُسے بُرا ہی سمجھے، اور اگر دوسرا کام اُسے بُرا معلوم ہوتا ہو مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے۔ اگر ایک کام میں اسے نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ وہ کام کیا جائے تو چاہے اس میں جان اور مال کا کتنا ہی نقصان ہو، وہ اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑے۔ اگر دوسرے کام میں اس کو فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اُسے نہ کیا جائے، تو خواہ دنیا بھر کی دولت ہی اُس کام میں کیوں نہ ملتی ہو، وہ اُس کام کو ہرگز نہ کرے۔

یہ علم اور یہ عمل ہے جس کی وجہ سے مسلمان خدا کا پیارا بندہ ہوتا ہے اور اُس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خدا اس کی عزت کرتا ہے۔ کافر یہ

علم نہیں رکھتا اور علم نہ ہونے کی وجہ سے اُس کا عمل بھی یہ نہیں ہوتا، اِس لیے وہ خدا کا جاہل اور نافرمان بندہ ہوتا ہے، اور خدا اس کو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

اب خود ہی انصاف سے کام لے کر سوچو کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر ویسا ہی جاہل ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے، اور ویسا ہی نافرمان ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے تو محض نام اور لباس اور کھانے پینے کے فرق کی وجہ سے وہ کافر کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہو سکتا ہے اور کس بنا پر دُنیا اور آخرت میں خدا کی رحمت کا حقدار ہو سکتا ہے؟ اسلام کسی نسل یا خاندان یا برادری کا نام نہیں ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے پوتے کو آپ ہی مل جائے۔ یہاں یہ بات نہیں ہے کہ برہمن کا لڑکا چاہے کیسا ہی جاہل ہو اور کیسے ہی بُرے کام کرے، مگر وُہ اُونچا ہی ہوگا، کیونکہ برہمن کے گھر پیدا ہُوا ہے اور اُونچی ذات کا ہے۔ اور چمار کا لڑکا چاہے علم اور عمل کے لحاظ سے ہر طرح اس سے بڑھ کر ہو، مگر وہ نیچا ہی رہے گا، کیونکہ چمار کے گھر پیدا ہُوا ہے اور کمین ہے۔ یہاں تو خدا نے اپنی کتاب میں صاف فرما دیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، یعنی جو خدا کو زیادہ پہچانتا ہے اور اس کی زیادہ فرماں برداری کرتا ہے، وہی خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ایک بُت پرست کے گھر پیدا ہُوئے۔ مگر انھوں نے خدا کو پہچانا اور اس کی فرمانبرداری کی، اِس لیے خدا نے ان کو ساری دُنیا کا امام بنا دیا۔ حضرت نُوحؑ کا لڑکا ایک پیغمبر کے گھر پیدا ہُوا، مگر اُس نے خدا

کو نہ پہچانا، [illegible] نافرمانی کی، اس سے [illegible] اس کے خاندان کی کچھ پروا نہ کی ا[illegible] [illegible]یسا عذاب دیا جس [illegible] عبرت کرتی ہے۔ پس خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کے نزدیک انسا[illegible] [illegible]ستان میں جو کچھ بھی فرق ہے وہ علم اور عمل کے لحاظ سے ہے۔ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اُس کی رحمت صرف اُنہی کے لیے ہے جو اُس کو پہچانتے ہیں، اور اُس کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو جانتے ہیں، اور اس کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ صفت نہیں ہے، ان کے نام خواہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہوں، یا دین دیال اور کرتار سنگھ، خدا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور نہ ان کو اس کی رحمت سے کوئی حق نہیں پہنچتا۔

بھائیو، تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، اور تمہارا ایمان ہے کہ مسلمان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ مگر ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، کیا خدا کی رحمت تم پر نازل ہو رہی ہے؟ آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ تو تم بعد میں دیکھو گے، مگر اس دُنیا میں تمہارا جو حال ہے اس پر نظر ڈالو۔ اس ہندوستان[1] میں تم نو کروڑ ہو۔ تمہاری اتنی بڑی تعداد ہے کہ اگر ایک ایک شخص ایک ایک کنکری پھینکے تو پہاڑ بن جائے۔ لیکن جہاں اتنے مسلمان موجود ہیں وہاں کُفّار حکومت کر رہے ہیں۔ تمہاری گردنیں اُن کی مُٹھی میں ہیں کہ جدھر چاہیں تمہیں موڑ دیں۔ تمہارا سر، جو خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتا تھا، اب انسانوں کے آگے جُھک رہا ہے۔ تمہاری عزت جس پر ہاتھ

---

[1] خیال رہے کہ یہ خطبات ۱۹۳۸ء میں لکھے گئے تھے جب ہندوستان تقسیم نہ ہوا تھا۔

ڈالنے کی کوئی ہمت نہ کر سکتا تھا، آج وہ خاک میں مل رہی ہے۔ تمہارا ہاتھ، جو ہمیشہ اُونچا ہی رہتا تھا، اب وہ نیچا ہوتا ہے اور کافر کے آگے پھیلتا ہے۔ جہالت اور افلاس اور قرضداری نے ہر جگہ تم کو ذلیل و خوار کر رکھا ہے کیا یہ خدا کی رحمت ہے؟ اگر یہ رحمت نہیں ہے، بلکہ کھلا ہوا غضب ہے، تو کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان اور اس پر خدا کا غضب نازل ہو! مسلمان اور ذلیل ہو! مسلمان اور غلام ہو! یہ تو ایسی ناممکن بات ہے جیسے کوئی چیز سفید بھی ہو اور سیاہ بھی جب مسلمان خدا کا محبوب ہوتا ہے تو خدا کا محبوب دُنیا میں ذلیل و خوار کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ تمہارا خدا ظالم ہے کہ تم تو اس کا حق پہچانو اور اس کی فرمانبرداری کرو، اور وہ نافرمانوں کو تم پر حاکم بنا دے، اور تم کو فرماں برداری کے معاوضے میں سزا دے؟ اگر تمہارا ایمان ہے کہ خدا ظالم نہیں ہے، اور اگر تم یقین رکھتے ہو کہ خدا کی فرماں برداری کا بدلہ ذلّت سے نہیں مل سکتا، تو پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ مُسلمان ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو اُسی میں کوئی غلطی ہے تمہارا نام سرکاری کاغذات میں تو ضرور مُسلمان لکھا جاتا ہے، مگر خدا کے ہاں انگریزی سرکار کے دفتر کی سند پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ خدا اپنا دفتر الگ رکھتا ہے، وہاں تلاش کرو کہ تمہارا نام فرماں برداروں میں لکھا ہُوا ہے یا نافرمانوں میں؟

خدا نے تمہارے پاس کتاب بھیجی تاکہ تم اس کتاب کو پڑھ کر اپنے مالک کو پہچانو اور اس کی فرمانبرداری کا طریقہ معلوم کرو۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی

کوشش کی کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے؟ خدا نے اپنے نبیؐ کو تمہارے پاس بھیجا، تاکہ وہ تمہیں مسلمان بننے کا طریقہ سکھائے۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اُس کے نبیؐ نے کیا سکھایا ہے؟ خدا نے تم کو دُنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ کیا تم اُس طریقے پر چلتے ہو؟ خدا نے کھول کھول کر بتایا کہ کون سے کام ہیں جن سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیا تم ایسے کاموں سے بچتے ہو؟ بتلاؤ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر تم مانتے ہو کہ نہ تو تم نے خدا کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی زندگی سے علم حاصل کیا، اور نہ اُس کے بتاتے ہوئے طریقے کی پیروی کی، تو تم مسلمان ہوئے کب کہ تمہیں اس کا اجر ملے؟ جیسے تم مسلمان ہو ویسا ہی اجر تمہیں مل رہا ہے اور ویسا ہی اجر آخرت میں بھی دیکھ لوگے۔

مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مسلمان اور کافر میں علم اور عمل کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کا علم اور عمل ویسا ہی ہے جیسا کافر کا ہے، اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو بالکل جھوٹ کہتا ہے۔ کافر قرآن کو نہیں پڑھتا اور نہیں جانتا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ یہی حال اگر مسلمان کا بھی ہو تو وہ مسلمان کیوں کہلائے؟ کافر نہیں جانتا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعلیم ہے اور آپ نے خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ کیا بتایا ہے۔ اگر مسلمان بھی اُسی کی طرح ناواقف ہو تو وہ مسلمان کیسے ہوا؟ کافر خدا کی مرضی پر چلنے کے بجائے

اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ مسلمان بھی اگر اُسی کی طرح خود سر اور آزاد ہو، اسی کی طرح اپنے ذاتی خیالات اور اپنی رائے پر چلنے والا ہو، اسی کی طرح خدا سے بے پروا اور اپنی خواہش کا بندہ ہو تو اسے اپنے آپ کو "مسلمان" (خدا کا فرماں بردار) کہنے کا کیا حق ہے؟ کافر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا اور جس کام میں اپنے نزدیک فائدہ یا لذت دیکھتا ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے، چاہے خدا کے نزدیک وہ حلال ہو یا حرام۔ یہی رویہ اگر مسلمان کا ہو تو اس میں اور کافر میں کیا فرق ہوا؟ غرض یہ ہے کہ جب مسلمان بھی اسلام کے علم سے اتنا ہی کورا ہو جتنا کافر ہوتا ہے، اور جب مسلمان بھی وہ سب کچھ کرے جو کافر کرتا ہے تو اس کو کافر کے مقابلہ میں کیوں فضیلت حاصل ہو، اور اس کا حشر بھی کافر جیسا کیوں نہ ہو؟ یہ ایسی بات ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

میرے عزیز بھائیو، کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ مَیں مسلمانوں کو کافر بنانے چلا ہوں نہیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ مَیں خود بھی سوچتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچے کہ ہم آخر خدا کی رحمت سے کیوں محروم ہو گئے ہیں؟ ہم پر ہر طرف سے کیوں مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ جن کو ہم کافر یعنی خدا کے نافرمان بندے کہتے ہیں وہ ہم پر ہر جگہ غالب کیوں ہیں؟ اور ہم جو فرماں بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہر جگہ مغلوب کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ پر مَیں نے جتنا زیادہ غور کیا، اُتنا ہی مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ ہم میں اور کفار میں بس

نام کا فرق رہ گیا ہے، ورنہ ہم بھی خدا سے غفلت اور اس سے بے خوفی اور اس کی نافرمانی میں کچھ اُن سے کم نہیں ہیں۔ تھوڑا سا فرق ہم میں اور اُن میں ضرور ہے، مگر اس کی وجہ سے ہم کسی اجر کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ سزا کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو کافر کرتا ہے۔ ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے نبی ہیں، اور پھر اُن کی پیروی سے اُس طرح بھاگتے ہیں جیسے کافر بھاگتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا نے لعنت کی ہے، رشوت کھانے اور کھلانے والے کو جہنم کا یقین دلایا ہے، سُود کھانے اور کھلانے والے کو بدترین مُجرم قرار دیا ہے، غیبت کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے، فحش اور بے حیائی اور بدکاری پر سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔ مگر یہ جاننے کے بعد بھی ہم کُفّار کی طرح یہ سب کام آزادی کے ساتھ کرتے ہیں، گویا ہمیں خدا کا کوئی خوف ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جو کُفّار کے مقابلہ میں تھوڑے بہت مسلمان بنے ہوئے نظر آتے ہیں، اس پر ہمیں انعام نہیں ملتا، بلکہ سزا دی جاتی ہے۔ کُفّار کا ہم پر حکمراں ہونا اور ہر جگہ ہمارا ذلیل ہونا اسی جرم کی سزا ہے کہ ہمیں اسلام کی نعمت دی گئی تھی اور پھر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

عزیزو، آج کے خطبہ میں جو کچھ مَیں نے کہا ہے، یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم کو ملامت کروں۔ مَیں ملامت کرنے نہیں اُٹھا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ

کھویا گیا ہے اس کو پھر سے حاصل کرنے کی کچھ فکر کی جائے۔ کھوئے ہوئے کو پانے کی فکر اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو معلوم ہو کہ اس کے پاس سے کیا چیز کھوئی گئی ہے اور وہ کیسی قیمتی چیز ہے۔ اسی لیے میں تم کو چونکانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم کو ہوش آجائے، اور تم سمجھ لو کہ حقیقت میں بہت قیمتی چیز تمہارے پاس تھی تو تم پھر سے اس کے حاصل کرنے کی فکر کرو گے۔

میں نے پچھلے خطبہ میں تم سے کہا تھا کہ مسلمان کو مسلمان ہونے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام کا علم ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے، رسولِ پاکؐ کا طریقہ کیا ہے، اسلام کس کو کہتے ہیں، اور کفر و اسلام میں اصلی فرق کن باتوں کی وجہ سے ہے۔ اس علم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ تم اسی علم کو حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تم کو احساس نہیں ہوا کہ تم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو۔ میرے بھائیو، ماں اپنے بچے کو دودھ بھی اس وقت تک نہیں دیتی جب تک کہ وہ رو کر مانگتا نہیں۔ پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے تو وہ خود پانی ڈھونڈتا ہے، اور خدا اس کے لیے پانی پیدا بھی کر دیتا ہے۔ جب تم کو خود ہی پیاس نہ ہو تو پانی سے بھرا ہوا کنواں بھی تمہارے پاس آجائے تو بے کار ہے۔ پہلے تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ دین سے ناواقف رہنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ہے۔ خدا کی کتاب تمہارے پاس موجود ہے، مگر تم نہیں جانتے کہ اس

میں کیا لکھا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ نماز تم پڑھتے ہو مگر تمہیں نہیں معلوم کہ اس نماز میں تم اپنے خدا کے سامنے کیا عرض کرتے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ جس کلمے کے ذریعے سے تم اسلام میں داخل ہوتے ہو، اس کے معنی تک تم کو معلوم نہیں اور تم نہیں جانتے کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ ہی تم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ کھیتی کے جل جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، روزگار نہ ملنے کا نقصان تم کو معلوم ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، مگر اسلام سے ناواقف ہونے کا نقصان تمہیں معلوم نہیں۔ جب تم کو اس نقصان کا احساس ہوگا تو تم خود آ کر کہو گے کہ ہمیں اس نقصان سے بچاؤ۔ اور جب تم خود کہو گے تو انشاء اللہ تمہیں اس نقصان سے بچانے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

سوچنے کی باتیں

برادرانِ اسلام، دُنیا میں اِس وقت مُسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ، تمام تحریفات سے پاک، ٹھیک ٹھیک اُنہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسُولِ برحق پر اُترا تھا۔ اور دُنیا میں اِس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اُس کی برکتوں اور بے حد و حساب نعمتوں سے محرُوم ہیں۔ قرآن ان کے پاس اِس لیے بھیجا گیا تھا کہ اس کو پڑھیں، سمجھیں، اس کے مطابق عمل کریں، اور اس کو لے کر خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ وہ اِن کو عزت اور طاقت بخشنے آیا تھا۔ وہ انہیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب اِنہوں نے اُس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اُس نے ان کو دُنیا کا امام اور پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر اب اِن کے ہاں اس کا مصرف اِس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اُس کو رکھ کر جِن بھُوت بھگائیں، اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور گھول کر پئیں، اور محض ثواب کے لیے بے سمجھے بُوجھے پڑھ لیا کریں۔ اب یہ اُس سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت نہیں مانگتے۔ اس سے

نہیں پوچھتے کہ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہییں ؟ ہمارے اعمال کیا ہونے چاہییں ؟ ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہییں ؟ ہم لین دین کس طرح کریں ؟ دوستی اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں ؟ خدا کے بندوں کے اور خود اپنے نفس کے حقوق ہم پر کیا ہیں اور انہیں ہم کس طرح ادا کریں ؟ ہمارے لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ؟ اطاعت ہمیں کس کی کرنی چاہیے اور نافرمانی کس کی ؟ تعلق کس سے رکھنا چاہیے اور کس سے نہ رکھنا چاہیے ؟ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون ؟ ہمارے لیے عزت اور فلاح اور نفع کس چیز میں ہے اور ذلت اور نامرادی اور نقصان کس چیز میں ؟ یہ ساری باتیں اب مسلمانوں نے قرآن سے پوچھنی چھوڑ دی ہیں۔ اب یہ کافروں اور مشرکوں سے، گمراہ اور خود غرض لوگوں سے، اور خود اپنے نفس کے شیطان سے اِن باتوں کو پوچھتے ہیں اور اُنہی کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اِس لیے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہیے وہی اِن کا ہُوا اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں، چین اور جاوا میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراکش میں، ہر جگہ بُری طرح بُھگت رہے ہیں۔ قرآن تو خیر کا سرچشمہ ہے۔ جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے یہ تمہیں دے گا۔ تم اس سے محض جِن بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی ذلیل و بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی۔ اگر دُنیا کی بادشاہی اور رُوئے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی ملے گی۔ اور اگر عرشِ الٰہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ

تمہیں وہاں بھی پہنچا دے گا۔ یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سمندر سے پانی کی دو بُوندیں مانگتے ہو، ورنہ سمندر تو دریا بخشنے کے لیے بھی تیار ہے۔

حضرات، جو ستم ظریفیاں ہمارے بھائی مسلمان اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ کرتے ہیں وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اس کی ہنسی اڑائیں بلکہ اس کو پاگل قرار دیں۔ بتائیے اگر کوئی شخص حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں باندھ لے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے تو اُس کو آپ کیا کہیں گے؟ کیا آپ کو اس پر ہنسی نہ آئے گی؟ اور آپ اُسے بیوقوف نہ سمجھیں گے؟ مگر سب سے بڑے حکیم نے آپ کے امراض کے لیے شفا اور رحمت کا جو بے نظیر نسخہ لکھ کر دیا ہے اس کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے رات دن یہی سلوک ہو رہا ہے اور کسی کو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ نسخہ گلے میں لٹکانے اور گھول کر پینے کی چیز نہیں بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کی جائے۔

بتائیے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دُور ہو جائیگی تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ نہ کہیں گے کہ بھیجو اسے پاگل خانے میں، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ مگر شافیٔ مطلق نے جو کتاب آپ کے امراض کا علاج کرنے کے لیے بھیجی

ہے اس کے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ ہے ۔آپ اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ بس اس کے پڑھ لینے ہی سے تمام امراض دُور ہو جائیں گے، اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، نہ اُن چیزوں سے پرہیز کی ضرورت ہے جن کو یہ مُضر بتا رہی ہے ۔پھر آپ خود اپنے اُوپر بھی وہی حکم کیوں نہیں لگاتے جو اُس شخص پر لگاتے ہیں جو بیماری دُور کرنے کے لیے صرف علمِ طب کی کتاب پڑھ لینے کو کافی سمجھتا ہے؟

آپ کے پاس اگر کوئی خط کسی ایسی زبان میں آتا ہے جسے آپ نہ جانتے ہوں تو آپ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کہ اُس زبان کے جاننے والے سے اس کا مطلب پوچھیں ۔جب تک آپ اُس کا مطلب نہیں جان لیتے آپ کو چین نہیں آتا ۔یہ معمولی کاروبار کے خطوط کے ساتھ آپ کا برتاؤ ہے جن میں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کا فائدہ ہو جاتا ہے ۔مگر خداوندِ عالم کا جو خط آپ کے پاس آیا ہُوا ہے اور جس میں آپ کے لیے دین و دُنیا کے تمام فائدے ہیں، اسے آپ اپنے پاس یُونہی رکھ چھوڑتے ہیں، اس کا مطلب سمجھنے کے لیے کوئی بے چینی آپ میں پیدا نہیں ہوتی ۔کیا یہ حیرت اور تعجب کا مقام نہیں؟

یہ باتیں مَیں ہنسی دل لگی کے لیے نہیں کر رہا ہوں ۔آپ اِن باتوں پر غور کریں گے تو آپ کا دِل گواہی دے گا کہ دُنیا میں سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اِس کتاب پاک کے ساتھ ہو رہا ہے، اور یہ ظُلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب

پر ایمان رکھتے ہیں اور اِس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار رہیں بیشک وہ ایمان رکھتے ہیں اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ وہی اس پر سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھ لیجیے! اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لیے نہیں آتا کہ وہ بدبختی اور نکبت و مصیبت میں مبتلا ہو۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى۔ یہ سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ہے۔ شقاوت اور بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ قطعی ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو، دوسروں کی محکوم ہو، پاؤں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جاتے، اس کے گلے میں غلامی کا پھندا ہو اور غیروں کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہوں اور وہ اس کو اِس طرح ہانکیں جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں۔ یہ انجام اُس کا صرف اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے کلام پر ظلم کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ اُن کے پاس توراۃ اور انجیل بھیجی گئی تھیں اور کہا گیا تھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔	اگر وہ توراۃ اور انجیل اور اُن کتابوں کی پیروی پر قائم رہتے جو اُن کے پاس بھیجی گئی تھیں تو اُن پر آسمان سے رزق برستا اور زمین سے رزق اُبلتا۔

(المائدہ۔ آیت ۶۶)

مگر اُنہوں نے اللہ کی ان کتابوں پر ظلم کیا، اور اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ :

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ - (البقرہ : آیت ۶۱)	ان پر ذلت اور محتاجی مُسلط کر دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور اس لیے کہ وہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے گزر گئے تھے۔

پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر بھی ذلیل و خوار اور محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجیے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے۔ خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اُس کی کتاب کے ساتھ ظُلم کرنا چھوڑ دیا جائے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ اس گناہِ عظیم سے باز نہ آئیں گے تو آپ کی حالت ہرگز نہ بدلے گی خواہ آپ گاؤں گاؤں کالج کھول دیں اور آپ کا بچہ بچہ گریجویٹ ہو جائے اور آپ یہودیوں کی طرح سُود خواری کر کے کروڑ پتی ہی کیوں نہ بن جائیں۔

حضرات، ہر مُسلمان کو سب سے پہلے جو چیز جاننی چاہیے وہ یہ ہے کہ "مسلمان" کہتے کس کو ہیں اور "مسلم" کے معنی کیا ہیں۔ اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ "انسانیت" کیا چیز ہے اور انسان و حیوان میں فرق کیا ہے تو وہ حیوانوں کی سی حرکات کرے گا

اور اپنے آدمی ہونے کی قدر نہ کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مُسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کی قدر نہ کر سکے گا لہٰذا مسلمان کو اور مسلمان کے ہر بچے کو اِس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ وہ جو اپنے آپ کو مُسلمان کہتا ہے تو اس کے معنی کیا ہیں، مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آدمی کی حیثیت میں کیا فرق واقع ہو جاتا ہے، اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اور اسلام کے حدود کیا ہیں جن کے اندر رہنے سے آدمی مُسلمان رہتا ہے اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی وہ مسلمانیت سے خارج ہو جاتا ہے چاہے وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا جائے۔

"اِسلام" کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کے۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا "اسلام" ہے۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا "اِسلام" ہے۔ خدا کی بادشاہی و فرمان روائی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا "اسلام" ہے۔ جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے حوالہ کر دے وہ مسلمان ہے۔ اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دے وہ مُسلمان نہیں ہے۔ خدا کے حوالہ کرنے یا خدا کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خُدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسُول کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اُس کو قبول کیا جائے، اِس میں چُون و چرا نہ کی جائے،

اور زندگی میں جو معاملہ بھی پیش آئے اس میں صرف قرآن اور سُنّتِ رسُول کی پیروی کی جائے۔ جو شخص اپنی عقل اور دُنیا کے دستور اور خدا کے سوا ہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے، اور ہر معاملہ میں خدا کی کتاب اور اس کے رسُول سے پُوچھتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، اور جو ہدایت وہاں سے ملے اس کو بے چُون و چرا مان لیتا ہے، اور اُس کے خلاف ہر چیز کو رَدّ کر دیتا ہے، وہ اور صرف وہی "مُسلمان" ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپُرد کر دیا، اور اپنے کو خدا کے سپُرد کرنا ہی "مُسلمان" ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص قرآن اور سُنّت رسُول پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کا کہا کرتا ہے، یا باپ دادا سے جو کچھ ہوتا چلا آتا ہو اس کی پیروی کرتا ہے، یا دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے مطابق چلتا ہے، اور اپنے معاملات میں قرآن اور سُنّت سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے، یا اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ قرآن و سُنّت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ اِس کے جواب میں کہتا ہے کہ میری عقل اِسے قبول نہیں کرتی اِس لیے میں اِس بات کو نہیں مانتا، یا باپ دادا سے تو اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے لہٰذا میں تو اِس کی پیروی نہ کرُوں گا، یا دُنیا کا طریقہ اِس کے خلاف ہے لہٰذا میں اُسی پر چلُوں گا، تو ایسا شخص ہرگز مُسلمان نہیں ہے۔ وہ جھُوٹ کہتا ہے اگر اپنے کو مُسلمان کہتا ہے۔

آپ جس وقت کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ پڑھتے ہیں اور مُسلمان ہونے

کا اقرار کرتے ہیں، اُسی وقت گویا آپ اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کے لیے قانون صرف خدا کا قانون ہے، آپ کا حاکم صرف خدا ہے، آپ کو اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے، اور آپ کے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ذریعہ سے معلوم ہو۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خُدا کے حق میں اپنی آزادی سے دست بردار ہو گئے۔ اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے، یا دُنیا کا دستور یہ ہے، یا خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں۔ خدا کے کلام اور اس کے رسُول کی سُنّت کے مقابلہ میں اب اِن میں سے کوئی بات بھی آپ نہیں کر سکتے۔

اب آپ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کو قرآن اور سُنّت کے سامنے پیش کریں، جو کچھ اس کے مطابق ہو اُسے قبول کریں اور جو اس کے خلاف ہو اُسے اُٹھا کر پھینک دیں خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن و سُنّت کے مقابلہ میں اپنے خیال یا دُنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس طرح کوئی اندھا اپنے آپ کو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا، اور کوئی نکٹا اپنے آپ کو ناک والا نہیں کہہ سکتا، اسی طرح کوئی ایسا شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن اور سُنّت کا تابع بنانے سے انکار کرے، اور خدا اور رسُول کے مقابلہ میں اپنی عقل یا دُنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو اُسے کوئی مُسلمان رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسے اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا جو نام چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسلمان اُسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک وہ اسلام کی سرحد میں رہے۔ خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کی سُنّت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مُسلمان ہے۔ اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مُسلمان کہتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ "جو لوگ اللہ کی نازل کردہ چیز کے خلاف فیصلہ کریں وہی کافر ہیں" (المائدہ۔ آیت ۴۴)

کلمہ طیبہ کے معنی

برادرانِ اسلام، آپ کو معلوم ہے کہ انسان دائرۂ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے۔ اور وہ کلمہ بھی کچھ بہت زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے، صرف چند لفظ ہیں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اِن الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا، اب مُسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا، اب پاک ہو گیا۔ پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا، اب اس کا پیارا ہو گیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا، اب جنّت کا دروازہ اس کے لیے کُھل گیا۔ اور بات صرف اتنے ہی پر نہیں رہتی۔ اِسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ جو اس کلمے کے پڑھنے والے ہیں وہ ایک اُمّت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری اُمّت ہو جاتے ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ باپ نہ رہا اور بیٹا بیٹا نہ رہا۔ باپ کی جائداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں اور بہنیں تک اس سے پردہ کرنے لگیں گی۔ غیر شخص اگر

---

[1] یہ اگرچہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ کافر بیٹے سے ماں اور کافر بھائی سے بہن پردہ کرے، مگر عملاً ایمانی غیرت رکھنے والی مُسلمان خواتین اکثر ایسے بھائیوں اور بیٹوں کا مُنہ تک دیکھنا پسند نہیں کرتیں

کلمہ پڑھنے والا ہے اور اُس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد تو اس گھر سے ورثہ پاتے گی۔ مگر یہ اپنی صُلب کا بیٹا صرف اس وجہ سے کہ کلمہ کو نہیں مانتا غیروں کا غیر بن جائے گا۔ گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہے کہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہے کہ خون اور رحم کے رشتے بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

اب ذرا اِس بات پر غور کرو کہ یہ اتنا بڑا فرق جو آدمی اور آدمی میں ہو جاتا ہے، یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کلمہ میں ہے کیا؟ صرف چند حرف ہی تو ہیں۔ لام، الف، ہ، م، د، س اور ایسے ہی دو چار حروف اور۔ اِن حرفوں کو ملا کر اگر مُنہ سے نکال دیا تو کیا کوئی جادو ہو جاتا ہے کہ آدمی کی کایا پلٹ جاتی ہے؟ آدمی اور آدمی میں کیا بس اتنی سی بات سے زمین و آسمان کا فرق ہو سکتا ہے؟ میرے بھائیو، تم ذرا سمجھ سے کام لوگے تو تمہاری عقل خود کہہ دے گی کہ فقط مُنہ کھولنا اور زبان ہلا کر چند حرف بول دینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ بت پرست مُشرک تو ضرور سمجھتے ہیں کہ بس ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ٹل جائے گا، زمین شق ہو جائے گی اور چشمے اُبلنے لگیں گے، چاہے منتر کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے۔ وہ زبان سے نکلے اور طلسمات کے دروازے کھل گئے۔ مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اصل چیز معنی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے۔ معنی اگر نہ ہوں اور وہ دل میں نہ اتریں، اور ان کے زور سے

تمہارے خیالات، تمہارے اخلاق اور تمہارے اعمال نہ بدلیں، تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اس بات کو میں ایک موٹی سی مثال سے تمہیں سمجھاؤں۔ فرض کرو تمہیں سردی لگتی ہے۔ اگر تم زبان سے رُوئی، لحاف، رُوئی لحاف پکارنا شروع کر دو، تو سردی لگنی بند نہ ہوگی، چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں رُوئی لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں اگر لحاف میں رُوئی بھروا کر اوڑھ لوگے تو سردی لگنی بند ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے۔ اگر تم صبح سے شام تک پانی پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ ہاں پانی کا ایک گھونٹ لے کر پی لوگے تو کلیجے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تم کو نزلہ بخار ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اگر بنفشہ گاؤزبان، بنفشہ گاؤزبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کر دوگے تو نزلے بخار میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ ان دواؤں کا جوشاندہ بنا کر پی لوگے تو نزلہ بخار خود بھاگ جائے گا۔ ایسا ہی حال کلمۂ طیبہ کا بھی ہے۔ فقط چھ سات لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ آدمی کافر سے مسلمان ہو جائے، ناپاک سے پاک ہو جائے، مردود سے محبوب بن جائے، دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہوگا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور وہ مطلب تمہارے دل میں اُتر جائے۔ پھر مطلب کو جان بوجھ کر جب تم ان الفاظ کو زبان سے نکالو تو تمہیں اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تم اپنے خدا کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہو اور

اس اقرار سے تمہارے اُوپر کتنی بڑی ذمہ داری آ گئی ہے۔ پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم نے اقرار کر لیا تو اس کے بعد تمہارے خیالات پر اور تمہاری ساری زندگی پر اس کلمہ کا قبضہ ہو جانا چاہیے۔ پھر تم کو اپنے دل و دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہیے جو اس کلمہ کے خلاف ہو۔ پھر تم کو ہمیشہ کے لیے بالکل فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جو بات اِس کلمہ کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے سارے معاملات میں یہ کلمہ تمہارا حاکم ہونا چاہیے۔ اِس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد تم کافروں کی طرح آزاد نہیں رہے کہ جو چاہو کرو بلکہ اب تم اِس کلمہ کے پابند ہو، جو وہ کہے اس کو کرنا پڑے گا اور جس سے وہ منع کرے اِس کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح کلمہ پڑھنے کی وجہ سے ہی آدمی اور آدمی میں اُتنا بڑا فرق ہوتا ہے جس کا ذکر مَیں نے ابھی تم سے کیا۔

آؤ اب مَیں تمہیں بتاؤں کہ کلمہ کا مطلب کیا ہے اور اس کو پڑھ کر آدمی کس چیز کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اقرار کرتے ہی آدمی کس چیز کا پابند ہو جاتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسُول ہیں۔ کلمہ میں اِلٰہ کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی "خدا" کے ہیں۔ خدا اس کو کہتے ہیں جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے

اور پرسنے والا ہو، دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہو اور اِس کا مستحق ہو کر اس کی عبادت کی جائے۔ اب جو تم نے لا الٰہ اِلّا اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اوّل تو تم نے یہ اقرار کیا کہ یہ دُنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے، اور نہ ایسا ہی ہے کہ اِس کے بہت سے خدا ہوں۔ بلکہ دراصل اِس کا خدا ہے، اور وہ خدا ایک ہی ہے، اور اُس ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہے کہ وہی ایک خدا تمہارا اور سارے جہان کا مالک ہے۔ تم اور تمہاری ہر چیز اور دُنیا کی ہر شئے اُس کی ہے۔ خالق وہ ہے۔ رازق وہ ہے۔ موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے مُصیبت اور راحت بھی اسی کی طرف سے ہے۔ جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کو دینے والا حقیقت میں وہ ہے اور جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اس کا چھیننے والا بھی حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہیے تو اس سے۔ مانگنا چاہیے تو اس سے۔ سر جھکانا چاہیے تو اس کے سامنے۔ عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی۔ اس کے سوا ہم کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد و پیمان ہے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہی تم اپنے خدا سے کرتے ہو اور ساری دُنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو۔ اِس کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہاری زبان تمہارے ہاتھ پاؤں، تمہارا رونگٹا رونگٹا، اور زمین اور آسمان کا ایک ایک ذرہ

جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا، تمہارے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دے گا، اور تم ایسی بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑے ہوگے کہ ایک بھی گواہ تم کو صفائی پیش کرنے کے لیے نہ ملے گا۔ کوئی وکیل یا بیرسٹر وہاں تمہاری طرف سے پیروی کرنے والا نہ ہوگا، بلکہ خود وکیل صاحب اور بیرسٹر صاحب، جو دُنیا کی عدالتوں میں قانون کی اُلٹ پھیر کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی وہاں تمہاری ہی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑے ہوں گے۔ وہ عدالت ایسی نہیں ہے جہاں تم جھوٹی گواہیاں اور جعلی دستاویزیں پیش کر کے اور غلط پیروی کر کے بچ جاؤ گے دنیا کی پولیس سے تم اپنا جُرم چُھپا سکتے ہو، خدا کی پولیس سے نہیں چھپا سکتے۔ دُنیا کی پولیس رشوت کھا سکتی ہے، خُدا کی پولیس رشوت کھانے والی نہیں۔ دُنیا کے گواہ جھوٹ بول سکتے ہیں، خُدا کے گواہ بالکل سچے ہیں۔ دُنیا کے حاکم بے انصافی کر سکتے ہیں، خدا ایسا حاکم نہیں جو بے انصافی کرے۔ پھر خدا جس جیل میں ڈالے گا اس سے بچ کر بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔ خُدا کے ساتھ جھوٹا اقرار کرنا بہت بڑی بیوقوفی، سب سے بڑی بے وقوفی ہے جب اقرار کرتے ہو تو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اس کو پُورا کرو۔ ورنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ زبانی ہی اقرار کر لو۔ کیونکہ خالی خولی زبانی اقرار محض بیکار ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد تم محمد رسول اللہ کہتے ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پیغمبر ہیں جن کے ذریعہ سے

خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ اُس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں۔ ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے سے وہ ہم کو بخشے گا اور اُس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں بتانے کے لیے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغامبر مقرر کیا، آپؐ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی، اور آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتا دیا کہ مسلمانوں کو اِس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔ پس جب تم نے "محمد رسول اللہ" کہا تو گویا اقرار کر لیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے تم اسی کی پیروی کرو گے، اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم نے حضورؐ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دیا اور دُنیا کے قانون کو مانتے رہے تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے ایمان کوئی نہ ہو گا، کیونکہ تم یہی اقرار کر کے تو اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لایا ہوا قانون حق ہے اور اسی کی تم پیروی کرو گے۔ اسی اقرار کی بدولت تو تم مسلمانوں کے بھائی بنے، اسی کی بدولت تم نے باپ سے ورثہ پایا، اسی کی بدولت ایک مسلمان عورت سے تمہارا نکاح ہوا، اسی کی بدولت تمہاری اولاد تمہاری جائز اولاد بنی، اسی کی بدولت تمہیں یہ حق ملا کہ تمام مسلمان

تمہارے مددگار نہیں، تمہیں زکوٰۃ دیں، تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیں، اور ان سب کے باوجود تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی بے ایمانی ہو سکتی ہے؟ اگر تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے معنی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اس کا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی چاہیے، خواہ اُس کی پیروی پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور عدالت اس دنیا میں نظر نہ آتی ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی پولیس اور فوج اور عدالت اور جیل کہیں موجود نہیں ہے اس لیے اُس کے قانون کو توڑنا آسان ہے، اور گورنمنٹ کی پولیس، فوج، عدالت اور جیل موجود ہے اس لیے اس کے قانون کو توڑنا مشکل ہے، ایسے شخص کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا جھوٹا اقرار کرتا ہے۔ اپنے خدا کو، ساری دنیا کو، تمام مسلمانوں کو اور خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے۔

بھائیو اور دوستو، ابھی میں نے تمہارے سامنے کلمۂ طیبہ کے معنی بیان کیے ہیں۔ اب اسی سلسلہ میں ایک اور پہلو کی طرف تم کو توجہ دلاتا ہوں۔

تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہارا اور ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری جان تمہاری اپنی نہیں، خدا کی مِلک ہے۔ تمہارے ہاتھ اپنے نہیں۔ تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان اور تمہارے جسم کا کوئی عضو تمہارا اپنا نہیں۔ یہ زمینیں جن کو تم جوتتے ہو، یہ جانور جن سے تم خدمت لیتے ہو،

یہ مال اسباب جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، ان میں سے بھی کوئی چیز تمہاری نہیں ہر چیز خدا کی ملک ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمہیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمہیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ جان میری ہے، جسم میرا ہے، مال میرا ہے، اور فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اُس کی چیز کو اپنی قرار دینا، بالکل ایک لغو بات ہے۔ اگر درحقیقت یہ بات سچے دل سے مانتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہی ہے تو اس سے دو باتیں خود بخود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر تمہارے حوالہ کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اُسی طرح تمہیں ان چیزوں سے کام لینا چاہیے۔ اس کی مرضی کے خلاف اِن سے کام لیتے ہو تو دھوکہ بازی کرتے ہو۔ تم اپنے اِن ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ تم اِن آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ تم کو اِس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ تمہیں اِن زمینوں اور ان جائدادوں پر بھی مالک کے منشا کے خلاف کوئی تصرّف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تمہاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتے ہو، اور تمہاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو، یہ بھی صرف اس لیے تمہاری ہیں کہ تمہارے مالک کی دی ہوئی ہیں، لہٰذا تم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر اس کے خلاف کرو گے تو تمہاری حیثیت

غاصب کی ہوگی جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے، اسی طرح اگر خدا کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروگے، یا خدا کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لوگے تو وہی بے ایمانی کا الزام تم پر بھی آئے گا۔ اگر مالک کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ جان جاتی ہے تو جاتے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں۔ اولاد کا نقصان ہوتا ہے تو ہو۔ مال و جائداد برباد ہو تو ہوا کرے تمہیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان پسند کرتا ہو تو اس کو حق ہے۔ ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام کرو اور اس میں کسی چیز کا نقصان ہو تو مجرم ہوگے، کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا۔ تم خود اپنی جان کے بھی مختار نہیں ہو۔ مالک کی مرضی کے مطابق جان دوگے تو مالک کا حق ادا کر دوگے۔ اس کے خلاف کام کرنے میں جان دوگے تو یہ بے ایمانی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیز تمہیں دی ہے اس کو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہو تو کسی پر احسان نہیں کرتے۔ نہ مالک پر احسان ہے نہ کسی اور پر۔ تم نے اگر اس کی راہ میں کچھ دیا، یا کچھ خدمت کی، یا جان دے دی جو تمہارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے، تب بھی کوئی احسان کسی پر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ جو کام تم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا جو حق تم پر تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔ یہ کون سی ایسی بات ہے جس پر کوئی پھولے اور فخر کرے اور یہ

چاہیے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اُس نے کوئی بہت بڑا کام کیا ہے جس پر اس کی بڑائی تسلیم کی جائے ؛ یاد رکھو کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھُولتا نہیں ہے ، بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے ۔ فخر کرنا کارِ خیر کو برباد کر دیتا ہے ۔ تعریف کی خواہش جس نے کی اور اس کی خاطر کوئی کارِ خیر کیا ، وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا ، کیونکہ اس نے تو اپنے کام کا معاوضہ دنیا ہی میں مانگا اور یہیں اس کو مل بھی گیا ۔

بھائیو ، اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ اپنی چیز تم سے لیتا ہے ، اور پھر کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے خریدی ہے اور اس کا معاوضہ میں تمہیں دُوں گا ۔ اللہ اکبر ! اس شانِ جُود و کرم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے ۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔	اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں اس معاوضہ میں کہ اُن کے لیے جنت ہے ۔

یہ تو مالک کا برتاؤ تمہارے ساتھ ہے ۔ اب ذرا اپنا برتاؤ بھی دیکھو ۔ جو چیز مالک نے تم کو دی تھی ، اور جس کو مالک نے پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا ، اس کو غیروں کے ہاتھ بیچتے ہو ۔ نہایت ذلیل معاوضے لے کر بیچتے ہو ۔ وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں اور تم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہو کہ گویا رازق وہ ہیں ۔ تم اپنے دماغ بیچتے ہو ، اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو ، اپنے

جسم کی طاقتیں بیچتے ہو، اور وہ سب کچھ بیچتے ہو جس کو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر خیانت اور کیا ہو سکتی ہے؟ بیچی ہوئی چیز کو پھر کسی کے ہاتھ بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ دُنیا میں اس پر دغا بازی اور فریب ہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا؟

کلمۂ طیّبہ اور کلمۂ خبیثہ

برادرانِ اسلام، پچھلے خطبے میں کلمۂ طیبہ کے متعلق میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ آج پھر اُسی کلمہ کی کچھ اور تشریح میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ اس لیے کہ یہ کلمہ ہی اسلام کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ سے آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور کوئی شخص حقیقت میں مسلمان بن نہیں سکتا جب تک کہ وہ اِس کلمہ کو پُوری طرح سمجھ نہ لے، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق نہ بنا لے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں اِس کلمہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔

(ابراہیم: آیت ۲۴ تا ۲۷)

یعنی کلمۂ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑیں زمین میں خوب جمی ہوئی اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پر پھل لائے چلا جاتا ہو۔ اس کے برعکس کلمۂ خبیثہ یعنی بُرا اعتقاد اور جھوٹا قول ایسا ہے جیسے ایک بذاتِ خود رُو پودا کہ وہ بس زمین کے اُوپر ہی اُوپر ہوتا ہے، اور ایک اشارہ میں جڑ چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اس کی جڑ گہری جمی ہوئی نہیں ہوتی۔

یہ ایسی بے نظیر مثال ہے کہ اگر تم اس پر غور کرو تو تمہیں اس سے بڑا سبق ملیگا۔ دیکھو، تمہارے سامنے دونوں قسم کے درختوں کی مثالیں موجود ہیں۔ ایک تو یہ آم کا درخت ہے۔ کتنا گہرا جما ہُوا ہے۔ کتنی بلندی تک اُٹھا ہُوا ہے۔ کتنی اس کی شاخیں پھیلی ہُوئی ہیں۔ کتنے اچھے پھل اس میں لگتے ہیں۔ یہ بات اسے کیوں حاصل ہُوئی؟ اس لیے کہ اس کی گٹھلی زور دار تھی، اس کو درخت بننے کا حق حاصل تھا، اور وہ حق اتنا سچا تھا کہ جب اس نے اپنے حق کا دعوٰی کیا تو زمین نے، پانی نے، ہوا نے، دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک نے، غرض ہر چیز نے اس کے حق کو تسلیم کیا اور اس نے جس سے جو کچھ مانگا ہر ایک نے اس کو دیا۔ اس طرح وہ اپنے حق کے زور سے اتنا بڑا درخت بن گیا اور اپنے میٹھے پھل دے کر اس نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت میں وہ اسی قابل تھا کہ ایسا درخت بنے اور زمین و آسمان کی ساری قوتوں نے مل کر اگر اس کا ساتھ دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا۔

بلکہ اُن کو ایسا کرنا ہی چاہیے تھا۔ اس لیے کہ درختوں کو غذا دینے اور بڑھانے اور پکانے کی جو طاقت زمین اور پانی اور ہوا اور دوسری چیزوں کے پاس ہے وہ اِسی کام کے لیے تو ہے کہ اچھی ذات والے درختوں کے کام آتے۔

اِس کے مقابلہ میں یہ جھاڑ جھنکار اور خودرَو پودے ہیں۔ اِن کی بساط ہی کیا ہے؟ ذرا سی جڑ کہ ایک بچہ اکھاڑ لے۔ نرم اور بودے اِتنے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے مُرجھا جائیں۔ ہاتھ لگاؤ تو کانٹے سے تمہاری خبر لیں۔ چکھو تو مُنہ کا مزہ خراب کر دیں۔ روز خدا جانے کتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اکھاڑے جاتے ہیں۔ ان کا یہ حال کیوں ہے؟ اس لیے کہ ان کے پاس حق کا وہ زور نہیں جو آم کے پاس ہے۔ جب اعلیٰ ذات کے درخت نہیں ہوتے تو زمین بیکار پڑے پڑے اُکتا جاتی ہے اور اِن پودوں کو اپنے اندر جگہ دے دیتی ہے۔ کچھ مدد پانی کر دیتا ہے، کچھ ہوا اپنے پاس سے سامان دے دیتی ہے۔ مگر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ایسے پودوں کا حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ اس لیے نہ زمین اپنے اندر اِن کی جڑیں پھیلنے دیتی ہے نہ پانی ان کو دل کھول کر غذا دیتا ہے اور نہ ہوا کھلے دل سے ان کو پروان چڑھاتی ہے۔ پھر جب اتنی سی بساط پر یہ خبیث پودے بدمزہ، خاردار اور زہریلے بن کر اُٹھتے ہیں تو واقع میں ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی طاقتیں ایسے پودے اُگانے کے لیے نہیں تھیں لیکن کو اتنی زندگی بھی ملی تو بہت ملی۔

ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھو اور پھر کلمۂ طیبّب اور کلمۂ خبیث کے فرق پر غور کرو۔

کلمۂ طیّب کیا ہے، ایک سچی بات ہے۔ ایسی سچی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو نہیں سکتی۔ سارے جہان کا خدا ایک اللہ ہے۔ اس چیز پر زمین اور آسمان کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہ انسان، یہ جانور، یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذرّے، یہ بہتی ہوئی نہر، یہ چمکتا ہوا سورج، یہ ساری چیزیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے کونسی چیز ہے جس کو اللہ کے سوا کسی اور نے پیدا کیا ہو؟ جو اللہ کے سوا کسی اور کی مہربانی سے زندہ اور قائم رہ سکے؟ جس کو اللہ کے سوا کوئی اور فنا کر سکتا ہو؟ پس جب یہ سارا جہان اللہ کا پیدا کیا ہُوا ہے اور اللہ ہی کی عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا مالک اور حاکم ہے، تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہان میں اُس ایک اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی نہیں ہے" تو زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پکار دے گی کہ تُو نے بالکل سچی بات کہی۔ ہم سب تیرے اس قول کی صداقت پر گواہ ہیں جب تم اس کے آگے سر جھکاؤ گے تو کائنات کی ہر چیز تمہارے ساتھ جُھک جائے گی، کیونکہ یہ ساری چیزیں بھی اُسی کی عبادت گزار ہیں جب تم اس کے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی کیونکہ یہ سب بھی تو اسی خدا کے فرمانبردار ہیں جب تم اس کی راہ میں چلو گے تو تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ کائنات کا بے شمار لشکر

تمہارے ساتھ چلے گا کیونکہ آسمان کے سورج سے لے کر زمین کے ایک حقیر ذرّے تک ہر چیز ہر آن اُسی کی راہ میں تو چل رہی ہے۔ جب تم اُس پر بھروسا کروگے تو کسی چھوٹی طاقت پر بھروسا نہ کروگے بلکہ اُس عظیم الشان طاقت پر بھروسا کروگے جو زمین اور آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ غرض اِس حقیقت پر جب تم نظر کروگے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کلمہ طیّبہ پر ایمان لاکر جو انسان اپنی زندگی کو اُس کے مطابق بنالے گا، زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دُنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا پھولتا ہی چلا جائے گا۔ اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ناکامی و نامرادی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کلمۂ خبیث کو دیکھو۔ کلمۂ خبیث کیا چیز ہے؟ یہ کہ اِس جہان کا کوئی خدا نہیں۔ یا یہ کہ ایک اللہ کے سوا یا اُس کے ساتھ کسی اور کی خُدائی بھی ہے۔ غور کرو اس سے بڑھ کر جھُوٹی اور بے اصل بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ زمین اور آسمان کی کون سی چیز اس پر گواہی دیتی ہے؟ دہریہ کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو جھُوٹا ہے۔ ہم کو اور تجھ کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور اسی خدا نے تجھ کو وہ زبان دی ہے جس سے تو یہ جھُوٹ بک رہا ہے۔ مُشرک کہتا ہے کہ خُدائی میں دوسرے بھی اللہ کے شریک

ہیں ۔ دوسرے بھی رازق ہیں۔ دوسرے بھی مالک ہیں۔ دوسرے بھی قسمتیں بناتے اور بگاڑتے ہیں ۔ دوسرے بھی فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں ۔ دوسرے بھی دُعائیں سُننے والے ہیں ۔ دوسرے بھی مُرادیں پُوری کرنے والے ہیں ۔ دوسرے بھی ڈرنے کے لائق ہیں ۔ دوسرے بھی بھروسا کرنے کے قابل ہیں ۔ اِس خدائی میں دوسروں کا حکم بھی چلتا ہے، اور خدا کے سوا دُوسروں کا فرمان اور قانون بھی پیروی کے لائق ہے ۔ اس کے جواب میں زمین و آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تُو بالکل جھوٹا ہے ۔ ہر ہر بات جو تو کہہ رہا ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے ۔ اب غور کرو کہ یہ کلمہ جو شخص اختیار کریگا اور اس کے مطابق جو شخص زندگی بسر کرے گا ، دُنیا اور آخرت میں وہ کیونکر پھل پھُول سکتا ہے ؟ اللہ نے اپنی مہربانی سے ایسے لوگوں کو مُہلت دے رکھی ہے اور رزق کا وعدہ ان سے کیا ہے، اس لیے زمین اور آسمان کی طاقتیں کسی نہ کسی طرح اس کو بھی پرورش کریں گی جس طرح وہ جھاڑ جھنکار اور خود رَو پودوں کو بھی آخر پرورش کرتی ہی ہیں۔ لیکن کائنات کی کوئی چیز بھی اس کا حق سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دے گی اور نہ پُوری طاقت کے ساتھ اس کی مدد ہی کریگی وہ انہی خودرَو درختوں کی طرح ہوگا جن کی مثال ابھی آپکے سامنے بیان ہوئی ہے ۔

یہی فرق دونوں کے پھلوں میں ہے ۔ کلمۂ طیب جب کبھی پھلے گا اس سے میٹھے اور مُفید پھل ہی پیدا ہوں گے ۔ دُنیا میں اس سے امن قائم ہوگا ، نیکی اور سچائی اور انصاف کا بول بالا ہوگا اور خلقِ خدا اس سے فائدہ ہی اُٹھائے گی ۔ مگر کلمۂ خبیث

کی جتنی پرورش ہو گی اس سے خار دار شاخیں ہی نکلیں گی۔ اس میں کڑوے کسیلے ہی پھل آئیں گے۔ اس کی رگ رگ میں زہر ہی بھرا ہو گا۔ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جہاں کفر اور شرک اور دہریت کا زور ہے وہاں کیا ہو رہا ہے؟ آدمی کو آدمی پھاڑ کھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آبادیاں کی آبادیاں تباہ کرنے کے سامان ہو رہے ہیں۔ زہریلی گیسیں بن رہی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو برباد کر دینے پر تلی ہوئی ہے۔ جو طاقتور ہے وہ کمزوروں کو غلام بناتا ہے، صرف اس لیے کہ اس کے حصے کی روٹی خود چھین کر کھا جائے اور جو کمزور ہے وہ فوج اور پولیس اور جیل اور پھانسی کے ڈر سے دب کر رہتے اور طاقتور کا ظلم سہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر ان قوموں کی اندرونی حالت کیا ہے؟ اخلاق بد سے بدتر ہیں جن پر شیطان بھی شرماتے۔ انسان وہ کام کر رہا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں کہ کہیں یہ بچے ان کے عیش میں خلل نہ ڈال دیں۔ شوہر اپنی بیویوں کو خود غیروں کی بغل میں دیتے ہیں تاکہ ان کی بیویاں ان کی بغل میں آئیں۔ ننگوں کے کلب بنائے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورت جانوروں کی طرح برہنہ ایک دوسرے کے سامنے پھرتے ہیں۔ امیر سود کے ذریعہ سے غریبوں کا خون چوس لیتے ہیں، اور مالدار ناداروں سے اس طرح خدمت لیتے ہیں کہ گویا وہ ان کے غلام ہیں اور صرف ان کی خدمت ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ غرض اس کلمۂ خبیث سے جو پودا بھی جہاں پیدا ہوا ہے کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور جو پھل بھی اس میں لگتا ہے کڑوا اور

زہریلا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں مثالوں کو بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرماتا ہے کہ
یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی
الْاٰخِرَۃِ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ یعنی کلمۂ طیّب پر جو لوگ ایمان لائیں گے
اللہ ان کو ایک مضبوط قول کے ساتھ دُنیا اور آخرت دونوں میں ثبات اور جماؤ
بخشے گا۔ اور ان کے مقابلہ میں وہ ظالم لوگ جو کلمۂ خبیث کو مانیں گے اللہ ان
کی ساری کوششوں کو بھٹکا دے گا، وہ کبھی کوئی سیدھا کام نہ کریں گے جس
سے دُنیا یا آخرت میں کوئی اچھا پھل پیدا ہو۔

بھائیو، کلمۂ طیّبہ اور کلمۂ خبیثہ کا فرق اور دونوں کے نتیجے تم نے سُن لیے۔
اب تم یہ سوال ضرور کرو گے کہ ہم تو کلمۂ طیّبہ کے ماننے والے ہیں، پھر کیا بات
ہے کہ ہم نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں، اور یہ کفّار جو کلمۂ خبیثہ کے ماننے والے ہیں
یہ کیوں پھل پھول رہے ہیں۔

اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور میں جواب دُوں گا بشرطیکہ آپ میں سے
کوئی میرے جواب پر بُرا نہ مانے بلکہ اپنے دل سے پُوچھے کہ میرا جواب واقعی
صحیح ہے یا نہیں۔

اوّل تو آپ کا یہی کہنا غلط ہے کہ آپ کلمۂ طیّبہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی نہ
پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں۔ کلمۂ طیبہ کو ماننے کے معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے

نہیں ہیں۔ اس کے معنی دل سے ماننے کے ہیں اور اس طرح ماننے کے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ آپ کے دل میں نہ رہے اور اس کے خلاف کوئی کام آپ سے ہو نہ سکے۔ میرے بھائیو، خدارا مجھے بتاؤ کیا تمہارا حقیقت میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکانہ اور کافرانہ خیالات تم میں نہیں پھیلے ہوئے ہیں جو کلمہ طیبہ کے بالکل خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سوا دوسروں کے آگے نہیں جھک رہا ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسا نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کے قانون کی خوشی خوشی پیروی نہیں کرتا؟ کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جا کر صاف یہ نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم و رواج کو مانتے ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جن کو دنیوی فائدوں کے لیے خدا کے قانون کی کسی دفعہ کو توڑنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا؟ کیا تم میں وہ لوگ موجود نہیں ہیں جن کو کفار کے غضب کا ڈر ہے مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفار کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں مگر خدا کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفار کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انہیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدارا سچ بتاؤ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر کس منہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمہ طیبہ کو ماننے والے اور اس کے باوجود ہم نہ پھولتے

ہیں نہ پھلتے ہیں۔ پہلے سچے دل سے ایمان تو لاؤ اور کلمۂ طیبہ کے مطابق زندگی اختیار تو کرو۔ پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے تو معاذ اللہ، معاذ اللہ، اپنے خدا کو جھوٹا سمجھ لینا کہ اس نے تمہیں غلط بات کا اطمینان دلایا۔

پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جو کلمۂ خبیثہ کو مانتے ہیں وہ واقعی دنیا میں پھل پھول رہے ہیں۔ کلمۂ خبیثہ کو ماننے والے نہ کبھی پھولے پھلے ہیں نہ آج پھول پھل رہے ہیں۔ تم دولت کی کثرت، عیش و عشرت کے اسباب اور ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ پھل پھول رہے ہیں۔ مگر ان کے دلوں سے پوچھو کہ کتنے ہیں جن کو اطمینانِ قلب میسر ہے؟ ان کے اوپر عیش کے سامان لدے ہوئے ہیں مگر ان کے دلوں میں آگ کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں جو ان کو کسی وقت چین نہیں لینے دیتیں۔ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نے ان کے گھروں کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ اخباروں میں دیکھو کہ یورپ اور امریکہ میں خودکشی کا کتنا زور ہے۔ طلاق کی کیسی کثرت ہے۔ نسلیں کس طرح گھٹ رہی ہیں اور گھٹائی جا رہی ہیں۔ امراضِ خبیثہ نے کس طرح لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تباہ کر دی ہیں۔ مختلف طبقوں کے درمیان روٹی کے لیے کیسی سخت کشمکش برپا ہے۔ حسد اور بغض اور دشمنی نے کس طرح ایک ہی جنس کے آدمیوں کو آپس میں لڑا رکھا ہے۔ عیش پسندی نے لوگوں کے لیے زندگی کو کس قدر تلخ بنا دیا ہے۔ اور یہ بڑے بڑے عظیم الشان شہر جن کو دور

سے دیکھ کر آدمی رشکِ جنت سمجھتا ہے، اِن کے اندر لاکھوں انسان کس مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا اِسی کو پھلنا اور پھولنا کہتے ہیں؟ کیا یہی وہ جنّت ہے جس پر تم رشک کی نگاہیں ڈالتے ہو؟

میرے بھائیو، یاد رکھو کہ خدا کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں کلمۂ طیبہ کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں جس کی پیروی کر کے انسان کو دُنیا میں راحت اور آخرت میں سُرخروئی حاصل ہو سکے۔ تم جس طرف چاہو نظر دوڑا کر دیکھ لو اِس کے خلاف تم کو کہیں کوئی چیز نہ مل سکے گی۔

کلمۂ طیّبہ پر ایمان لانے کا مقصد

برادرانِ اسلام، اِس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے کلمۂ طیّبہ کا مطلب بیان کر چکا ہُوں۔ آج مَیں اِس سوال پر بحث کرنا چاہتا ہُوں کہ اس کلمے پر ایمان لانے کا فائدہ اور اس کی ضرورت کیا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے کسی نہ کسی غرض، کسی نہ کسی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ بے غرض بے مقصد، بے فائدہ کوئی کام نہیں کیا کرتا۔ آپ پانی کیوں پیتے ہیں؟ اِس لیے کہ پیاس بُجھے۔ اگر پانی پینے کے بعد بھی آپ کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے ہوتا ہے تو آپ ہرگز پانی نہ پییں۔ کیونکہ یہ ایک بے نتیجہ کام ہوگا۔ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ اِس لیے کہ بھُوک رفع ہو اور آپ میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر کھانا کھانے اور نہ کھانے کا نتیجہ ایک ہی ہو تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ بالکل ایک فضول کام ہے۔ بیماری میں آپ دوا کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے کہ بیماری دُور ہو جائے اور تندرستی حاصل ہو۔ اگر دوا پی کر بھی بیمار کا وہی حال ہو جو دوا پینے سے پہلے تھا تو آپ یہی کہیں گے کہ ایسی دوا پینا بے کار ہے۔ آپ زراعت میں اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ زمین سے غلّہ اور

پھل اور ترکاریاں پیدا ہوں۔ اگر بیج بونے پر بھی زمین سے کوئی چیز نہ اُگتی تو آپ ہل چلانے اور تخم ریزی کرنے اور پانی دینے میں اتنی محنت ہرگز نہ کرتے۔ غرض آپ دُنیا میں جو کام بھی کرتے ہیں اُس میں ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر مقصد حاصل ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک ہُوا۔ اگر مقصد حاصل نہ ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک نہیں ہُوا۔

اِس بات کو ذہن میں رکھیے اور میرے ایک ایک سوال کا جواب دیتے جائیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کلمہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب آپ اِس کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں فرق ہو جائے۔ اب مَیں پوچھتا ہوں کہ فرق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کافر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو مسلمان کی چار آنکھیں ہو جائیں؟ یا کافر کا ایک سر ہوتا ہے تو مسلمان کے دو سر ہو جائیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ فرق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ کافر کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو جائے اور ناکام و نامراد رہے۔ اور مُسلمان کا انجام یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہو اور آخرت میں وہ کامیاب اور بامُراد رہے۔

مَیں کہتا ہُوں کہ یہ جواب آپ نے بالکل ٹھیک دیا۔ مگر مجھے یہ بتائیے کہ آخرت کیا چیز ہے؟ آخرت کی ناکامی و نامُرادی سے کیا مطلب ہے؟ اور

وہاں کامیاب اور بامُراد ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جب تک میں اس بات کو نہ سمجھ لوں اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس سوال کا جواب آپ کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اِس کا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ اَلدُّنیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی دُنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا دنیا ہے اور انتہا آخرت۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے۔ آپ زمین میں ہل جوتتے ہیں، پھر بیج بوتے ہیں، پھر پانی دیتے ہیں، پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے، اور اس کو کاٹ کر آپ سال بھر تک مزے سے کھاتے رہتے ہیں۔ آپ زمین میں جس چیز کی کاشت کریں گے اسی کی فصل تیار ہو گی گیہوں بوئیں گے تو گیہوں پیدا ہو گا۔ کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہوں گے۔ کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ نہ پیدا ہو گا۔ ہل چلانے اور بیج بونے اور پانی دینے اور کھیتی کی رکھوالی کرنے میں جو جو غلطیاں اور کوتاہیاں آپ سے ہوں گی ان سب کا بُرا اثر آپ کو فصل کاٹنے کے موقع پر معلوم ہو گا۔ اور اگر آپ نے یہ سب کام اچھی طرح کیے ہیں تو ان کا فائدہ بھی آپ فصل ہی کاٹنے کے وقت دیکھیں گے۔

بالکل یہی حال دُنیا اور آخرت کا ہے۔ دُنیا ایک کھیتی ہے۔ اس کھیتی میں آدمی کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اپنے لیے فصل تیار کرے۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے لیے آدمی کو اس کام کی مُہلت دی گئی ہے۔

اس مہلت میں جیسی فصل آدمی نے تیار کی ہے ویسی ہی فصل وہ موت کے بعد دوسری زندگی میں کاٹے گا۔ اور پھر جو فصل وہ کاٹے گا اُسی پر آخرت کی زندگی میں اُس کا گزر بسر ہو گا۔ اگر کسی نے عمر بھر دُنیا کی کھیتی میں اچھے پھل بوئے ہیں، اور ان کو خوب پانی دیا ہے، اور ان کی خوب رکھوالی کی ہے تو آخرت کی زندگی میں جب وہ قدم رکھے گا تو اپنی محنت کی کمائی ایک سرسبز و شاداب باغ کی صورت میں تیار پائے گا اور اسے اپنی اُس دوسری زندگی میں پھر کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی۔ بلکہ دنیا میں عمر بھر محنت کر کے جو باغ اُس نے لگایا تھا اُسی باغ کے پھلوں پر ہمیشہ آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ اسی چیز کا نام جنت ہے اور آخرت میں بامُراد ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اِس کے مقابلے میں جو شخص اپنی دُنیا کی زندگی میں کانٹے اور کڑوے کسیلے زہریلے پھل بوتا رہا ہے، اس کو آخرت کی زندگی میں انہی پھلوں کی فصل تیار ملے گی۔ وہاں پھر اس کو دوبارہ اتنا موقع نہیں ملے گا کہ اپنی اِس حماقت کی تلافی کر سکے اور اس خراب فصل کو جلا کر دوسری اچھی فصل تیار کر سکے۔ پھر تو اُس کو آخرت کی ساری زندگی اُسی فصل پر بسر کرنی ہو گی جسے وہ دُنیا میں تیار کر چکا ہے۔ جو کانٹے اس نے بوتے تھے انہی کے بستر پر اسے لیٹنا ہو گا، اور جو کڑوے کسیلے زہریلے پھل اُس نے لگائے تھے وہی اس کو کھانے پڑیں گے۔ یہی مطلب ہے آخرت میں ناکام و نامُراد ہونے کا۔

آخرت کی یہ شرح جو میں نے بیان کی ہے، حدیث اور قرآن سے بھی یہی

شرح ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ آخرت کی زندگی میں انسان کا نامراد یا بامُراد ہونا، اور اس کے انجام کا اچھا یا بُرا ہونا دراصل نتیجہ ہے دُنیا کی زندگی میں اس کے علم اور عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا۔

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ مُسلمان اور کافر کے انجام کا فرق یُونہی بلا وجہ نہیں ہو جاتا۔ دراصل انجام کا فرق آغاز ہی کے فرق کا نتیجہ ہے جب تک دُنیا میں مُسلمان اور کافر کے علم و عمل کے درمیان فرق نہ ہوگا، آخرت میں بھی اِن دونوں کے انجام کے درمیان فرق نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دُنیا میں ایک شخص کا علم اور عمل وہی ہو جو کافر کا علم اور عمل ہے، اور پھر آخرت میں وہ اُس انجام سے بچ جائے جو کافر کا انجام ہوتا ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ پہلے آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ اب انجام اور آخرت کی جو تشریح آپ نے سُنی ہے اس کے بعد آپ کو اپنے جواب پر پھر غور کرنا ہوگا۔ اب آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد دنیا میں انسان کے علم اور عمل کو درست کرنا ہے تاکہ آخرت میں اس کا انجام درست ہو۔ یہ کلمہ انسان کو دُنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے جس کے پھل آخرت میں اس کو توڑنے ہیں۔ اگر آدمی اس کلمہ کو نہیں مانتا تو اُس کو

باغ لگانے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہو سکتا پھر وہ باغ لگا بیٹے گا کس طرح اور آخرت میں پھل کس چیز کے توڑے گا؟ اور اگر آدمی اس کلمہ کو زبان سے پڑھ لیتا ہے مگر اس کا علم بھی وہی رہتا ہے جو نہ پڑھنے والے کا علم تھا، اور اس کا عمل بھی ویسا ہی رہتا ہے جیسا کافر کا عمل تھا، تو آپ کی عقل خود کہہ دے گی کہ ایسا کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کا انجام کافر کے انجام سے مختلف ہو۔ زبان سے کلمہ پڑھ کر اس نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا ہے کہ باغ لگانے کا طریقہ بھی وہ نہ سیکھے، باغ لگاتے بھی نہیں، ساری عمر کانٹے ہی بوتا رہے، اور پھر بھی آخرت میں اس کو پھلوں سے لدا ہوا لہلہاتا باغ مل جائے۔ جیسا کہ میں پہلے کئی مثالیں دے کر بیان کر چکا ہوں، جس کام کے کرنے اور نہ کرنے کا نتیجہ ایک ہو وہ کام فضول اور بے معنی ہے جس دوا کو پینے کے بعد بھی بیمار کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے تھا، وہ دوا حقیقت میں دوا ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کلمہ پڑھنے والے آدمی کا علم اور عمل بھی وہی کا وہی رہے جو کلمہ نہ پڑھنے والے کا ہوتا ہے، تو ایسا کلمہ پڑھنا محض بے معنی ہے جب دنیا میں کافر اور مسلم کی زندگی میں فرق نہ ہوا تو آخرت میں ان کے انجام میں فرق کیسے ہو سکتا ہے؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جو کلمہ طیبہ انسان کو سکھاتا ہے؟ اور اس علم کو سیکھنے کے بعد مسلمان کے عمل اور کافر کے عمل میں کیا فرق

ہو جاتا ہے؟

دیکھیے پہلی بات جو اِس کلمہ سے آپ کو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور کسی کے بندے نہیں ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہو گئی تو خود بخود آپ کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ آپ جس کے بندے ہیں، دُنیا میں آپ کو اُسی کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ اُس کی مرضی کے خلاف اگر آپ چلیں گے تو یہ اپنے مالک سے بغاوت ہو گی۔

اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہو گئی کہ اللہ کے رسول نے دُنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کے بجائے پھُولوں اور میٹھے پھلوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے اُسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہیے۔ اگر آپ اُس طریقہ کی پیروی کریں گے تو آخرت میں آپ کو اچھی فصل ملے گی۔ اور اگر اُس کے خلاف عمل کریں گے تو دُنیا میں کانٹے بوئیں گے اور آخرت میں کانٹے ہی پائیں گے۔

یہ علم حاصل ہونے کے بعد لازم ہے کہ آپ کا عمل بھی اس کے مطابق ہو۔

ہر آپ کو یقین ہے کہ ایک دن مرنا ہے، اور مرنے کے بعد پھر ایک دوسری زندگی ہے، اور اُس زندگی میں آپ کو اسی فصل پر گزر کرنا ہو گا جسے آپ اِس زندگی میں تیار کر کے جائیں گے، تو پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بتلاتے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکیں۔ دنیا میں آپ کھیتی باڑی کیوں کرتے ہیں، اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ اگر کھیتی باڑی نہ کی تو غلہ پیدا نہ ہوگا، اور غلہ نہ پیدا ہوا تو بھوکے مر جائیں گے۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ ہوتا اور آپ سمجھتے کہ کھیتی باڑی کے بغیر ہی غلہ پیدا ہو جائے گا یا غلہ کے بغیر بھی آپ بھوک سے بچ جائیں گے، تو ہرگز آپ کھیتی باڑی میں یہ محنت نہ کرتے۔ بس اسی پر اپنے حال کو بھی قیاس کر لیجیے۔ جو شخص زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو اپنا مالک، اور رسول پاکؐ کو خدا کا رسول مانتا ہوں اور آخرت کی زندگی کو بھی مانتا ہوں، مگر عمل اس کا قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، اس کے متعلق یہ سمجھ لیجیے کہ درحقیقت اس کا ایمان کمزور ہے۔ اس کو جیسا یقین اپنی کھیتی میں کاشت نہ کرنے کے بُرے انجام کا ہے اگر ویسا ہی یقین آخرت کی فصل تیار نہ کرنے کے بُرے انجام کا بھی ہو تو وہ کبھی اس کام میں غفلت نہ کرے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے حق میں کانٹے نہیں بوتا۔ کانٹے وہی بوتا ہے جسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ جو چیز وہ بو رہا ہے اس سے کانٹے پیدا ہوں گے اور وہ کانٹے اس کو تکلیف دیں گے۔ آپ جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارہ نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ آپ کو یقین ہے کہ یہ جلا دیگا۔ مگر ایک بچہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے، کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

مُسلمان کسے کہتے ہیں؟

برادرانِ اسلام، آج مَیں آپ کے سامنے مسلمان کی صفات بیان کرونگا، یعنی یہ بتاؤں گا کہ مُسلمان ہونے کے لیے کم سے کم شرطیں کیا ہیں، آدمی کو کم از کم کیا ہونا چاہیے کہ وہ مُسلمان کہلائے جانے کے قابل ہو۔

اِس بات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ کُفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔ کُفر یہ ہے کہ آدمی خدا کی فرمانبرداری سے انکار کر دے اور اسلام یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کا فرماں بردار ہو اور ہر ایسے طریقے، یا قانون، یا حکم کو ماننے سے انکار کر دے جو خدا کی بھیجی ہُوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اسلام اور کُفر کا یہ فرق قرآن مجید میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

(المائدہ: آیت ۴۴)

یعنی جو شخص خدا کی اُتاری ہُوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے، ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں۔

فیصلہ کرنے سے یہ مُراد نہیں ہے کہ عدالت میں جو مقدمہ جائے بس اسی کا فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ہو۔ بلکہ دراصل اس سے مُراد وہ فیصلہ ہے جو

ہر شخص اپنی زندگی میں ہر وقت کیا کرتا ہے۔ ہر موقع پر تمہارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ فلاں بات اِس طرح کی جائے یا اُس طرح کی جائے؟ فلاں معاملہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے یا وہ طریقہ اختیار کیا جائے؟ تمام ایسے موقعوں پر ایک طریقہ خدا کی کتاب اور اس کے رسُول کی سُنّت بتاتی ہے۔ اور دُوسرا طریقہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات، یا باپ دادا کی رسمیں، یا انسانوں کے بنائے ہُوئے قانون بتاتے ہیں۔ اب جو شخص خدا کے بتائے ہُوئے طریقے کو چھوڑ کر کسی دُوسرے طریقے کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل کُفر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اُس نے اپنی ساری زندگی ہی کے لیے یہی ڈھنگ اختیار کیا ہے تو وہ پُورا کافر ہے۔ اور اگر وہ بعض معاملات میں تو خدا کی ہدایت کو مانتا ہو اور بعض میں اپنے نفس کی خواہشات کو یا رسم و رواج کو یا انسانوں کے قانون کو خدا کے قانون پر ترجیح دیتا ہو تو جس قدر بھی وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتا ہے اسی قدر کفر میں مبتلا ہے کوئی آدھا کافر ہے۔ کوئی چوتھائی کافر ہے۔ کسی میں دسواں حصّہ کفر ہے اور کسی میں بیسواں حصّہ۔ غرض جتنی خدا کے قانون سے بغاوت ہے اُتنا ہی کُفر بھی ہے۔

اسلام اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو، نفس کا بندہ، نہ باپ دادا کا بندہ، نہ خاندان اور قبیلہ کا بندہ، نہ مولوی صاحب اور پیر صاحب کا بندہ، نہ زمیندار صاحب اور تحصیلدار صاحب اور مجسٹریٹ صاحب کا بندہ،

نہ خدا کے سوا کسی اور صاحب کا بندہ ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران۔ آیت ۶۴)

یعنی اے نبی، کہو کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (یعنی جو تمہارے نبی بھی بتا گئے ہیں، اور خدا کا نبی ہونے کی حیثیت سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور خدائی میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے بجائے اپنا مالک اور اپنا آقا نہ بنائے پھر اگر وہ ان باتوں کو ماننے سے منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں (یعنی ہم ان تینوں باتوں کو مانتے ہیں)۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران)

یعنی کیا وہ خدا کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت چاہتے ہیں؟ حالانکہ خدا وہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ اصلی دین خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ خدا کی عبادت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بس پانچ

وقت اُس کے آگے سجدہ کرلو۔بلکہ اس کی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ رات دن میں ہر وقت اس کے احکام کی اطاعت کرو جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جاؤ جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اُس پر عمل کرو۔ ہر معاملہ میں یہ دیکھو کہ خدا کا حکم کیا ہے۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا کہتا ہے، تمہاری عقل کیا کہتی ہے، باپ دادا کیا کر گئے ہیں، خاندان اور برادری کی مرضی کیا ہے، جناب مولوی صاحب قبلہ اور جناب پیر صاحب قبلہ کیا فرماتے ہیں، اور فلاں صاحب کا کیا حکم ہے اور فلاں صاحب کی کیا مرضی ہے۔ اگر تم نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی کی بات بھی مانی تو خدائی میں اُس کو شریک کیا۔ اُس کو وہ درجہ دیا جو صرف خدا کا درجہ ہے حکم دینے والا تو صرف خدا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ بندگی کے لائق تو صرف وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور جس کے بل بوتے پر تم زندہ ہو۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز اُسی کی اطاعت کر رہی ہے۔ کوئی پتھر کسی پتھر کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی درخت کسی درخت کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی جانور کسی جانور کی اطاعت نہیں کرتا۔ پھر کیا تم جانوروں اور درختوں اور پتھروں سے بھی گئے گزرے ہو گئے کہ وہ تو صرف خدا کی اطاعت کریں، اور تم خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی اطاعت کرو؟ ۔ یہ ہے وہ بات جو قرآن کی اِن دونوں آیتوں میں بیان فرمائی گئی ہے۔

اب مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کفر اور گمراہی دراصل نکلتی کہاں سے ہے۔

قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اِس کمبخت بلا کے آنے کے تین راستے ہیں۔ پہلا

راستہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں:

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (القصص۔آیت ۵۰)	یعنی اُس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے خدا کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر انسان کو گمراہ کرنے والی چیز انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔جو شخص خواہشات کا بندہ بن گیا، اس کے لیے خدا کا بندہ بننا ممکن ہی نہیں۔وہ تو ہر وقت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے۔ میری عزت اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے۔مجھے لذت اور لطف کس کام میں حاصل ہوتا ہے۔مجھے آرام اور آسائش کس کام میں ملتی ہے۔بس یہ چیزیں جس کام میں ہونگی اسی کو وہ اختیار کرے گا، چاہے خدا اس سے منع کرے۔اور یہ چیزیں جس کام میں نہ ہوں اس کو وہ ہرگز نہ کرے گا، چاہے خدا اس کا حکم دے۔تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ہوا، اس کا اپنا نفس ہی اس کا خدا ہو گیا۔اس کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ اسی بات کو دوسری جگہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا	یعنی اے نبی تم نے اُس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے اپنے نفس کی خواہش کو

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔
(الفرقان۔ آیت: ۴۳۔۴۴)

اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کی نگرانی کر سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔"

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کوئی جانور آپ کو ایسا نہ ملے گا جو خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہو۔ ہر جانور وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کی ہے، اُسی قدر کھاتا ہے جس قدر اس کے لیے مقرر کی ہے۔ اور جتنے کام جس جانور کے لیے مقرر ہیں بس اتنے ہی کرتا ہے۔ مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب یہ اپنی خواہش کا بندہ بنتا ہے تو وہ وہ حرکتیں کر گزرتا ہے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

یہ تو گمراہی کے آنے کا پہلا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو رسم و رواج، جو عقیدے اور خیالات، جو رنگ ڈھنگ چلے آ رہے ہوں، آدمی ان کا غلام بن جاتے اور خدا کے حکم سے بڑھ کر اُن کو سمجھے اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جاتے تو کہے کہ میں تو وہی کروں گا جو میرے باپ دادا کرتے تھے اور جو میرے خاندان اور قبیلے کا رواج ہے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہے وہ خدا کا بندہ کب ہوا۔ اس کے خدا تو اس کے باپ دادا اور اس کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ اس کو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ میں

مسلمان ہوں؟ قرآن کریم میں اس پر بھی بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۔

(البقرہ ۔ آیت ۱۷۰)

اور جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ جو حکم خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اُس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگر ان کے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں اور راہِ راست پر نہ ہوں تو کیا یہ پھر بھی اُنہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟

دوسری جگہ فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ؁ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اور جب اُن سے کہا گیا کہ آؤ اُس فرمان کی طرف جو خدا نے نازل کیا ہے اور آؤ رسُول کے طریقہ کی طرف، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے چاہے ان کو کسی بات کا علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستے پر نہ ہوں؟ اے ایمان لانے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (المائدہ۔ آیت ۱۰۴۔۱۰۵)

والو، تم کو تو اپنی فکر ہونی چاہیے اگر تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ پھر آخرکار تم سب کو خدا کی طرف واپس جانا ہے۔ اس وقت خدا تم کو تمہارے اعمال (کا نیک و بد سب کچھ) بتا دے گا جو تم کرتے رہے ہو۔

یہ ایسی گمراہی ہے جس میں تقریباً ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں، اور ہمیشہ خدا کے رسولوں کی ہدایت کو ماننے سے یہی چیز انسان کو روکتی رہی ہے۔ حضرت موسیٰ نے جب لوگوں کو خدا کی شریعت کی طرف بلایا تھا، اس وقت بھی لوگوں نے یہی کہا تھا:

أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا۔ (یونس۔ ۷۸)

کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اُس راستہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے قبیلے والوں کو شرک سے روکا تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا:

وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ (الانبیاء۔ ۵۳)

ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے پایا ہے۔

غرض اسی طرح ہر نبی کے مقابلے میں لوگوں نے یہی حجت پیش کی ہے کہ تم جو بات

کہتے ہو یہ ہمارے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف ہے اس لیے ہم اسے نہیں مانتے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(الزخرف۔ آیت: ۲۳-۲۵)

یعنی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی ہم نے کسی بستی میں کسی ڈرانے والے یعنی پیغمبر کو بھیجا تو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں پیغمبر نے ان سے کہا اگر میں اس سے بہتر بات بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو کیا پھر بھی تم باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے جو تم لے کر آئے ہو۔ پس جب انہوں نے یہ جواب دیا تو ہم نے بھی ان کو خوب سزا دی اور اب دیکھ لو کہ ہمارے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔"

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا تو باپ دادا ہی کی پیروی کر لو یا پھر ہمارے ہی حکم کی پیروی کرو۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ہونا چاہتے ہو تو سب کو چھوڑ کر صرف اس بات کو مانو جو ہم نے بتائی ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ - وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا

(لقمان - آیت: ۲۱-۲۳)

یعنی جب اُن سے کہا گیا کہ اُس حکم کی پیروی کرو جو خدا نے نازل کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اُس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے" چاہے شیطان ان کو عذابِ جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلا رہا ہو۔ جو کوئی اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دے اور نیکوکار ہو اس نے تو مضبوط رسّی تھام لی اور آخر کار تمام معاملات کا انجام خدا کے حوالے ہے اور جس نے اس سے انکار کیا تو اے نبی تم کو اُس کے انکار سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب ہماری طرف واپس آنے والے ہیں پھر ہم انہیں بتا دینگے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔

یہ گمراہی کے آنے کا دوسرا راستہ تھا۔ تیسرا راستہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان جب خدا کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے، اس کی بات پکی ہوگی، یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روزی ہے اس لیے اس کی بات ماننی چاہیے، یا فلاں شخص بڑا صاحبِ اقتدار ہے اس لیے اس کی فرماں برداری کرنی چاہیے، یا فلاں صاحب اپنی بددعا سے

مجھے تباہ کر دیں گے یا اپنی مہربانی سے جنت میں لے جائیں گے اس لیے جو وہ کہیں وہی صحیح ہے، یا فلاں قوم بڑی ترقی کر رہی ہے، اُس کے طریقے اختیار کرنے چاہییں تو ایسے شخص پر خدا کی ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (الانعام ۱۱۶)	اگر تو نے اُن بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔

یعنی آدمی سیدھے راستہ پر اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا ایک خدا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں خدا جس نے بنا لیے ہوں، اور جو کبھی اِس خدا کے کہے پر اور کبھی اُس خدا کے کہے پر چلتا ہو، وہ راستہ کہاں پا سکتا ہے۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ گمراہی کے تین بڑے بڑے سبب ہیں:

ایک نفس کی بندگی،

دوسرے، باپ دادا اور خاندان اور قبیلے کے رواجوں کی بندگی۔

تیسرے، عام طور پر دنیا کے لوگوں کی بندگی جس میں دولت مند لوگ، اور حکامِ وقت اور بناوٹی پیشوا، اور گمراہ قومیں سب ہی شامل ہیں۔

یہ تین بڑے بڑے بُت ہیں جو خدائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔ جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اُس کو سب سے پہلے اِن تینوں بتوں کو توڑنا چاہیے۔ پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہو جائے گا۔ ورنہ جس نے یہ تینوں بُت اپنے دل میں بٹھا

رکھے ہوں اس کا بندہ خدا ہونا مشکل ہے۔ وہ دن میں پچاس وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھاوے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو دھوکا دے سکتا ہے، خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں، مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

بھائیو، آج میں نے آپ کے سامنے جن تین بُتوں کا ذکر کیا ہے ان کی بندگی اصلی شرک ہے۔ آپ نے پتھر کے بُت توڑ دیئے۔ اینٹ اور چُونے سے بنے ہوئے بُت خانے ڈھا دیئے۔ مگر سینوں میں جو بُت خانے بنے ہوئے ہیں ان کی طرف کم توجہ کی۔ سب سے زیادہ ضروری، بلکہ مسلمان ہونے کے لیے اوّلین شرط اِن بُتوں کو توڑنا ہے۔ اگرچہ میرا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ساری دُنیا اور تمام ہندوستان میں مسلمان جس قدر نقصان اُٹھا رہے ہیں وہ اِنہی تین بُتوں کی پُوجا کا نتیجہ ہے۔ مگر چونکہ اِس وقت میرے سامنے میرے پنجابی بھائی ہیں، اس لیے خاص طور پر ان سے کہتا ہوں کہ آپ کی تباہی اور آپ کی ذلّت اور مُصیبت کی جڑ یہ تین چیزیں ہیں جو آپ نے ابھی مجھ سے سُنی ہیں۔ آپ اِس پنجاب کی سرزمین میں ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ اس صوبہ کی آبادی میں آدھے سے زیادہ آپ ہیں اور آدھے سے کم میں دوسری قومیں ہیں۔ مگر اتنی بڑی قوم ہونے کے باوجود یہاں آپ کا کوئی وزن نہیں لے۔ بعض نہایت قلیل التعداد قوموں کا وزن آپ سے

لے خیال رہے کہ اُس وقت مشرقی اور مغربی پنجاب ایک تھے اور ہندوستان میں شامل تھے۔

بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ پر بھی آپ نے کبھی غور کیا؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نفس کی بندگی، خاندانی رواجوں کی بندگی اور خدا کے سوا دوسرے انسانوں کی بندگی نے آپ کی طاقت کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔

آپ میں راجپوت ہیں، گکھڑ ہیں، مُغل ہیں، جاٹ ہیں، اور بہت سی قومیں ہیں۔ اسلام نے ان سب قوموں کو ایک قوم، ایک دوسرے کا بھائی، ایک پختہ دیوار بننے کے لیے کہا تھا جس کی اینٹ سے اینٹ جُڑی ہُوئی ہو مگر آپ اب بھی وہی پُرانے ہندوانہ خیالات لیے ہُوئے بیٹھے ہیں جس طرح ہندوؤں میں الگ الگ گوتریں ہیں اسی طرح آپ میں بھی اب تک قبیلے قبیلے الگ ہیں آپس میں مسلمانوں کی طرح شادی بیاہ نہیں۔ ایک دوسرے سے برادری اور بھائی چارہ نہیں۔ زبان سے آپ ایک دوسرے کو مُسلمان بھائی کہتے ہیں مگر حقیقت میں آپ کے درمیان وہی سب امتیازات ہیں جو اسلام سے پہلے تھے۔ ان امتیازات نے آپ کو ایک مضبوط دیوار نہیں بننے دیا۔ آپ کی ایک ایک اینٹ الگ ہے۔ آپ نہ مل کر اُٹھ سکتے ہیں اور نہ مل کر کسی مُصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق آپ سے کہا جائے کہ توڑ دو اِن امتیازات کو، اور آپس میں پھر ایک ہو جاؤ، تو آپ کیا کہیں گے؟ بس وہی ایک بات، یعنی ہمارے باپ دادا سے جو رواج چلے آرہے ہیں ان کو ہم نہیں توڑ سکتے۔ اس کا جواب خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے؟ بس یہی کہ تم نہ توڑو اِن رواجوں کو، نہ چھوڑو ہندوانہ

رسموں کی تقلید کو، ہم بھی تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور تمہاری کثرتِ تعداد کے باوجود تم کو ذلیل و خوار کر کے دکھائیں گے۔

اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ تمہاری وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ آپ اس کا جواب کیا دیتے ہیں؟ یہ کہ ہمارے باپ دادا کے قانون میں لڑکے اور لڑکیاں شریک نہیں ہیں اور یہ کہ ہم خدا کے قانون کے بجائے باپ دادا کا قانون مانتے ہیں۔ خدارا مجھے بتائیے کیا اسلام اسی کا نام ہے؟ آپ سے کہا جاتا ہے کہ اس خاندانی قانون کو توڑیے۔ آپ میں سے ہر شخص کہتا ہے کہ جب سب توڑیں گے تو میں بھی توڑ دوں گا۔ ورنہ اگر وہ دوسروں نے لڑکی کو حصہ نہ دیا، اور میں نے دے دیا تو میرے گھر کی دولت تو دوسروں کے پاس چلی جائے گی، مگر دوسرے کے گھر کی دولت میرے گھر میں نہ آئے گی۔ غور کیجیے کہ اس جواب کے کیا معنی ہیں؟ کیا خدا کے قانون کی اطاعت اسی شرط سے کی جائے گی کہ دوسرے اطاعت کریں تو آپ بھی کریں گے؟ کل آپ کہیں گے کہ دوسرے زنا کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ دوسرے چوری کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ غرض دوسرے جب تک سب گناہ نہ چھوڑیں گے، میں بھی اُس وقت تک سب گناہ کرتا رہوں گا۔ بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں تینوں بتوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ نفس کی بندگی بھی ہے، باپ دادا کی بندگی بھی اور مشرک قوموں کی بندگی بھی۔ اور تینوں کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہے۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ ورنہ آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو بیشمار اسی قسم کے امراض آپ کے اندر پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور ان سب میں آپ یہی دیکھیں گے کہ کہیں ایک بُت کی پرستش ہے اور کہیں دو بُتوں کی، اور کہیں تینوں بُتوں کی۔ جب یہ بُت پُوجے جا رہے ہوں، اور ان کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہو تو آپ کیسے اُمید کر سکتے ہیں کہ آپ پر اُن رحمتوں کی بارش ہو گی جن کا وعدہ سچے مسلمانوں سے کیا گیا ہے؟

ایمان کی کسوٹی

برادرانِ اسلام! پچھلے جمعہ کے خطبہ میں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ قرآن کی رُو سے انسان کی گمراہی کے تین سبب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جاتے۔ دوسرے یہ کہ خدائی قانون کے مقابلہ میں اپنے خاندان کے رسم و رواج اور باپ دادا کے طریقے کو ترجیح دے۔ تیسرے یہ کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے جو طریقہ بتایا ہے اس کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کی پیروی کرنے لگے، چاہے وہ انسان خود اس کی اپنی قوم کے بڑے لوگ ہوں یا غیر قوموں کے لوگ۔

مسلمان کی اصلی تعریف یہ ہے کہ وہ ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو مسلمان کہتے ہی اُس کو ہیں جو خدا کے سوا کسی کا بندہ اور رسولؐ کے سوا کسی کا پیرو نہ ہو۔ مسلمان وہ ہے جو سچے دل سے اِس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیم سراسر حق ہے۔ اُس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے اور انسان کے لیے دین و دنیا کی بھلائی جو کچھ بھی ہے صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیم میں ہے۔ اِس بات پر کامل یقین جس شخص کو ہوگا وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف یہ دیکھے گا

کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا کیا حکم ہے۔ اور جب اسے حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ سیدھی طرح سے اُس کے آگے سر جھکا دیگا۔ پھر چاہے اُس کا دل کتنا ہی تلملائے اور خاندان کے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں، اور دُنیا والے کتنی ہی مخالفت کریں، وہ ان میں سے کسی کی پروا نہ کرے گا، کیونکہ ہر ایک کو اس کا صاف جواب یہی ہو گا کہ مَیں خدا کا بندہ ہوں، تمہارا بندہ نہیں ہوں۔ اور مَیں رسولؐ پر ایمان لایا ہوں، تم پر ایمان نہیں لایا ہوں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کا ارشاد یہ ہے تو ہوا کرے، میرا دل تو اس کو نہیں مانتا، مجھے تو اس میں نقصان نظر آتا ہے، اس لیے مَیں خدا اور رسولؐ کی بات کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چلوں گا، تو ایسے شخص کا دل ایمان سے خالی ہو گا۔ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے کہ زبان سے تو کہتا ہے کہ مَیں خدا کا بندہ اور رسولؐ کا پیرو ہوں، مگر حقیقت میں اپنے نفس کا بندہ اور اپنی رائے کا پیرو بنا ہوا ہے۔

اِسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسُولؐ کا حکم کچھ بھی ہو، مگر فلاں بات تو باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے، اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے، یا فلاں قاعدہ تو میرے خاندان یا برادری میں مقرّر ہے، اسے کیونکر توڑا جا سکتا ہے، تو ایسے شخص کا شمار بھی منافقوں میں ہو گا، خواہ نمازیں پڑھتے پڑھتے اس کی پیشانی پر کتنا ہی بڑا گٹا پڑ گیا ہو اور ظاہر میں اُس نے کتنی ہی متشرع صورت

بنا رکھی ہو۔ اس لیے کہ دین کی اصل حقیقت اُس کے دل میں اُتری ہی نہیں۔ دین رکوع اور سجدے اور روزے اور حج کا نام نہیں ہے، اور نہ دین انسان کی صورت اور اس کے لباس میں ہوتا ہے، بلکہ اصل میں دین نام ہے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا۔ جو شخص اپنے معاملات میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اس کا دل حقیقت میں دین سے خالی ہے، اس کی نماز اور اس کا روزہ اور اس کی متشرع صورت ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اِسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت سے بے پروا ہو کر کہتا ہے کہ فلاں بات اِس لیے اختیار کی جائے کہ وہ انگریزوں میں رائج ہے، اور فلاں بات اِس لیے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اُس کی وجہ سے ترقی کر رہی ہے، اور فلاں بات اس لیے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اُس بات کو اُٹھا کر دیوار پر دے مارو جو خدا اور رسولؐ کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام کا دعویٰ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم خدا اور رسولؐ کو مانتے ہیں، مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کی بات کے مقابلہ میں خدا اور رسولؐ کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے نہ اسلام، بلکہ اس کا نام منافقت ہے۔

قرآن مجید کے اٹھارویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں فرما دیا ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَاِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْآ اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ○ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْآ اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْآ اِلَی

"ہم نے کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی آیتیں اُتار دی ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے (ان آیتوں کے ذریعے) سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ اطاعت سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے معاملات میں فیصلہ کرے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ جاتے ہیں، البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو اسے مان لیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے؟ یا کیا یہ شک میں پڑے ہوئے

اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ
اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا
وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَ
مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ
یَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ۔
(النور۔ آیت: ۴۶۔۵۲)

ہیں؟ یا اِن کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اِن کی حق تلفی کریگا؟ (بہرحال جو کچھ بھی ہو) یہ لوگ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کرنے والے ہیں حقیقت میں جو ایمان دار ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول ان کے معاملات کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں! اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا اور اللہ سے ڈرتا رہے گا، اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے گا، بس وہی کامیاب ہوگا۔"

اِن آیات میں ایمان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے، اس پر غور کیجیے۔ اصلی ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت کے سپرد کردو۔ جو حکم وہاں سے ملے اس کے آگے سر جھکا دو، اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنو، نہ اپنے دل کی، نہ خاندان والوں کی اور نہ دُنیا والوں کی۔ یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے وہی مومن اور مسلم ہے۔ اور جو اس سے خالی ہو اس کی حیثیت منافق سے زیادہ نہیں ہے۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا۔ عورت اور مرد

جوان اور بوڑھے سب شراب کے متوالے تھے۔ اُن کو دراصل اس چیز سے عشق تھا۔ اس کی تعریفوں کے گیت گاتے تھے، اور اس پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اس کا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کر لیتا ہے، مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کر سکتا۔ اگر شرابی کو شراب نہ ملے تو اس کی کیفیت بیمار سے بدتر ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی سُنا ہے کہ جب قرآن شریف میں اس کی حُرمت کا حکم آیا تو کیا ہُوا؟ وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے اِس حکم کو سُنتے ہی انھوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جس وقت انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنادی کی آواز سُنی کہ شراب حرام کر دی گئی تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا۔ جس کے مُنہ سے پیالہ لگا ہُوا تھا، اُس نے فوراً اس کو ہٹا لیا، اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا —— یہ ہے ایمان کی شان۔ اس کو کہتے ہیں خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا کتنی سخت رکھی گئی ہے؛ ننگی پیٹھ پر سو کوڑے، جن کا خیال کرنے سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتیں۔ اور اگر شادی شُدہ آدمی ہو تو اس کے لیے سنگساری کی سزا ہے، یعنی اس کو پتھر دں

سے اتنا مارنا کہ وہ مر جاتے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سُن کر آدمی کانپ اُٹھتا ہے مگر آپ نے یہ بھی سُنا کہ جن کے دل میں ایمان تھا اُن کی کیا کیفیت تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ کوئی گواہ نہ تھا۔ کوئی عدالت تک پکڑ کر لے جانے والا نہ تھا۔ کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا۔ صرف دل میں ایمان تھا جس نے اُس شخص سے کہا کہ جب تُو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پُوری کی ہے تو اب جو سزا خُدا نے اس کے لیے مقرر کی ہے اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہو جا۔ چنانچہ وُہ شخص خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسُول اللہ، مَیں نے زنا کی ہے مجھے سزا دیجیے۔ آپ مُنہ پھیر لیتے ہیں تو پھر دوسری طرف آکر یہی بات کہتا ہے۔ آپ پھر مُنہ پھیر لیتے ہیں تو وہ پھر سامنے آکر سزا کی درخواست کرتا ہے کہ جو گناہ مَیں نے کیا ہے اس کی سزا مجھے دی جائے ــــ یہ ہے ایمان۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے اس کے لیے ننگی پیٹھ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار تک کر دیا جانا آسان ہے، مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مُشکل۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کے لیے دُنیا میں اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً باپ، بھائی، بیٹے تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سے سب کچھ قربان کر دینا آدمی گوارا کر لیتا ہے۔ مگر آپ ذرا بدر اور اُحد کی لڑائیوں پر غور کیجیے کہ ان میں کون کس کے خلاف لڑنے گیا تھا؟ باپ مسلمانوں

کی فوج میں ہے تو بیٹا کافروں کی فوج میں۔ یا بیٹا اِس طرف ہے تو باپ اُس طرف۔ ایک بھائی اِدھر ہے تو دوسرا بھائی اُدھر۔ قریب سے قریب رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلہ میں آگئے ہیں اور اس طرح لڑے ہیں کہ گویا ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور یہ جوش اُن میں کچھ روپے پیسے یا زمین کے لیے نہیں بھڑکا تھا، نہ کوئی ذاتی عداوت تھی، بلکہ صرف اِس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پوست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسولؐ پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عرب میں جتنے پُرانے رسم و رواج تھے، اسلام نے قریب قریب ان سب ہی کو توڑ ڈالا تھا۔ سب سے بڑی چیز تو بُت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں برس سے چلا آ رہا تھا۔ اسلام نے کہا کہ اِن بُتوں کو چھوڑ دو۔ شراب، زنا، جُوا، چوری اور رہزنی عرب میں عام طور پر رائج تھی۔ اسلام نے کہا کہ ان سب کو ترک کرو۔ عورتیں عرب میں کُھلی پھرتی تھیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کرو۔ عورتوں کو وراثت میں کوئی حصّہ نہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان کا بھی وراثت میں حصّہ ہے۔ متبنّٰی کو وہی حیثیت دی جاتی تھی جو صُلبی اولاد کی ہوتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ وہ صُلبی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ متبنّٰی اگر اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ غرض کونسی پُرانی رسم ایسی تھی جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ خدا

اور رسولؐ پر ایمان لائے تھے ان کا کیا طرزِ عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور ان کے باپ دادا سجدہ کرتے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے، اُن کو اُن ایمانداروں نے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ سینکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں ان سب کو انہوں نے مٹا کر رکھ دیا جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے خدا کا حکم پا کر انہیں پاؤں تلے روند ڈالا۔ جن چیزوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے خدا کا حکم آتے ہی ان کو جائز سمجھنے لگے۔ جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں وہ ایک دم ناپاک ہو گئیں، اور جو صدیوں سے ناپاک خیال کی جاتی تھیں وہ یکایک پاک ہو گئیں۔ کفر کے جن طریقوں میں لذت اور فائدے کے سامان تھے، خدا کا حکم پاتے ہی ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گزرتی ہے ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا۔ اس کا نام ہے ایمان اور اس کو کہتے ہیں اسلام۔ اگر عرب کے لوگ اُس وقت کہتے کہ فلاں بات ہم اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارا اس میں نقصان ہے، اور فلاں بات کو ہم اس لیے نہیں چھوڑتے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے، اور فلاں کام کو تو ہم ضرور کریں گے کیونکہ باپ دادا سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، اور فلاں باتیں رُومیوں کی ہمیں پسند ہیں اور فلاں ایرانیوں کی ہم کو مرغوب ہیں، غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح اسلام کی ایک ایک بات کو رد کر دیتے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آج دُنیا میں کوئی مُسلمان نہ ہوتا۔

بھائیو، قرآن میں ارشاد ہوا کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

یعنی نیکی کا مرتبہ تم کو نہیں مل سکتا جب تک کہ تم وہ سب چیزیں خدا کے لیے قربان نہ کر دو جو تم کو عزیز ہیں۔ بس یہی آیت اسلام اور ایمان کی جان ہے۔ اسلام کی اصل شان یہی ہے کہ جو چیزیں تم کو عزیز ہیں، ان کو خدا کی خاطر قربان کر دو۔ زندگی کے سارے معاملات میں تم دیکھتے ہو کہ خدا کا حکم ایک طرف بلاتا ہے اور نفس کی خواہشات دوسری طرف بلاتی ہیں۔ خدا ایک کام کا حکم دیتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ اس میں تو تکلیف ہے یا نقصان۔ خدا ایک بات سے منع کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ یہ تو بڑی مزیدار چیز ہے یا بڑے فائدے کی چیز ہے۔ ایک طرف خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا کی دنیا کھڑی ہوتی ہے۔ غرض زندگی میں ہر ہر قدم پر انسان کو دو راستے ملتے ہیں۔ ایک راستہ اسلام کا ہے اور دوسرا کفر و نفاق کا۔ جس نے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اُس نے اسلام کا راستہ اختیار کیا۔ اور جس نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر اپنے دل کی یا دنیا کی خوشی پوری کی، اُس نے کفر یا نفاق کا راستہ اختیار کیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اسلام کی جو بات آسان ہے اسے تو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے وہیں سے رُخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعیِ اسلام لوگوں میں بھی یہ کمزوری موجود ہے۔ وہ اسلام اسلام بہت پکاریں گے، اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہو جائے گی، اس کے لیے کچھ نمائشی کام بھی کر دیں گے، مگر ان سے کہیے کہ یہ اسلام

جس کی آپ اِس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں، آئیے ذرا اس کے قانون کو ہم آپ خود اپنے اوپر جاری کریں تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دِقّت ہے، اور فی الحال تو اس کو بس رہنے دیجیے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے، اس کو بس طاق پر رکھیے اور دُور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کیے جایئے، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجیے۔ یہ ہمارے آج کل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیاداروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اِس لیے کہ جب رُوح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائے گا؟

اسلام کا اصل معیار

برادرانِ اسلام، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

یعنی "اے محمدؐ، کہو میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے مَیں اس کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرتا ہوں"۔

اس آیت کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔

جس نے کسی سے دوستی و محبت کی تو خدا کے لیے، اور دشمنی کی تو خدا کے لیے اور کسی کو دیا تو خدا کے لیے، اور کسی سے روکا تو خدا کے لیے، اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا، یعنی وہ پورا مومن ہو گیا۔

پہلے جو آیت مَیں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے اور مرنے کو صرف اللہ

کے لیے خالص کرے اور اللہ کے سوا کسی کو اس میں شریک نہ کرے یعنی نہ اس کی بندگی اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہو اور نہ اس کا جینا اور مرنا۔

اس کی جو تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میں نے آپ کو سنائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی، اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اس کا لین دین خالصتہً خدا کے لیے ہونا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان ہی کی تکمیل نہیں ہوتی کجا کہ مراتبِ عالیہ کا دروازہ کھُل سکے جتنی کمی اس معاملہ میں ہوگی اُتنا ہی نقص آدمی کے ایمان میں ہوگا اور جب اس حیثیت سے آدمی مکمل طور پر خدا کا ہو جاتا ہے تب کہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی چیزیں صرف مراتبِ عالیہ کا دروازہ کھولتی ہیں ورنہ ایمان و اسلام کے لیے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا شرط نہیں ہے یعنی بالفاظِ دیگر اس کیفیت کے بغیر بھی انسان مومن و مسلم ہو سکتا ہے مگر یہ ایک غلط فہمی ہے اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ فقہی اور قانونی اسلام اور اُس حقیقی اسلام میں جو خدا کے ہاں معتبر ہے فرق نہیں کرتے۔

فقہی اور قانونی اسلام میں آدمی کے قلب کا حال نہیں دیکھا جاتا اور نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ صرف اُس کے اقرارِ زبانی کو اور اِس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر اُن لازمی علامات کو نمایاں کرتا ہے یا نہیں جو اقرارِ زبانی کی توثیق کے

لیے ضروری ہیں۔ اگر کسی شخص نے زبان سے اللہ اور رسولؐ اور قرآن اور آخرت اور دوسرے ایمانیات کو ماننے کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد وہ ضروری شرائط بھی پوری کر دیں جن سے اُس کے ماننے کا ثبوت ملتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام میں لے لیا جائے گا اور سارے معاملات اس کے ساتھ مسلمان سمجھ کر کیے جائیں گے لیکن یہ چیز صرف دنیا کے لیے ہے اور دنیوی حیثیت سے وہ قانونی اور تمدنی بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر مُسلم سوسائٹی کی تعمیر کی گئی ہے اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایسے اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مُسلم سوسائٹی میں داخل ہوں وہ سب مسلمان مانے جائیں، ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، ان کو ایک دوسرے پر شرعی اور قانونی اور اخلاقی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں، اُن کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوں، میراث تقسیم ہو اور دوسرے تمدّنی روابط وجود میں آئیں۔

لیکن آخرت میں انسان کی نجات اور اس کا مُسلم و مومن قرار دیا جانا اور اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اِس قانونی اقرار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کا قلبی اقرار، اُس کے دل کا جھکاؤ اور اس کا برضا و رغبت اپنے آپ کو بِالکُلیہ خدا کے حوالے کر دینا ہے۔ دُنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضیٔ شرع کے لیے اور عام انسانوں اور مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اللہ آدمی کے دل کو اور اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور

اس کے ایمان کو ناپتا ہے۔ اس کے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جائے گا وہ یہ ہے کہ آیا اس کا جینا اور مرنا اور اس کی وفاداریاں اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کا پورا کارنامۂ زندگی اللہ کے لیے تھا یا کسی اور کے لیے؟ اگر اللہ کے لیے تھا تو وہ مُسلم اور مومن قرار پائے گا، اور اگر کسی اور کے لیے تھا تو نہ وہ مُسلم ہوگا نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا خام نکلے گا اتنا ہی اس کا ایمان اور اسلام خام ہوگا، خواہ دنیا میں اس کا شُمار کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں ہوتا رہا ہو اور اس کو کتنے ہی بڑے مراتب دیئے گئے ہوں۔ اللہ کے ہاں قدر صرف اِس چیز کی ہے کہ جو کچھ اُس نے آپ کو دیا ہے وہ سب کچھ آپ نے اُس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو اور حقِ بندگی ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اگر آپ نے کسی چیز کو خدا کی بندگی سے مستثنیٰ کر کے رکھا تو آپ کا یہ اقرار کہ آپ مُسلم ہوتے، یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کر دیا، محض ایک جھوٹا اقرار ہوگا جس سے دُنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مُسلم سوسائٹی آپ کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس سے دُنیا میں آپ کو مُسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے ہیں، لیکن اس سے فریب کھا کر خدا اپنے ہاں آپ کو وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

یہ قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق جو مَیں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے اگر آپ اِس پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے نتائج صرف آخرت ہی میں

مختلف نہیں ہونگے بلکہ دُنیا میں بھی ایک بڑی حد تک مختلف ہیں دُنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کو دو قسموں پہ منقسم کیا جا سکتا ہے۔

ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسولؐ کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں مگر اپنے اِس مذہب کو اپنی کُل زندگی کا محض ایک جُز اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھیں۔ اِس مخصوص جُز اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو، عبادت گزاریاں ہوں، تسبیح و مُصلّے ہو، خدا کا ذکر ہو، کھانے پینے اور بعض معاشرتی معاملات میں پرہیزگاریاں ہوں اور وہ سب کچھ ہو جسے مذہبی طرزِ عمل کہا جاتا ہے، مگر اس شعبے کے سوا اُن کی زندگی کے دوسرے تمام پہلو اُن کے مُسلم ہونے کی حیثیت سے مستثنیٰ ہوں۔ وہ محبت کریں تو اپنے نفس یا اپنے مفاد یا اپنے ملک و قوم یا کسی اور کی خاطر کریں۔ وہ دُشمنی کریں اور کسی سے جنگ کریں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دنیوی یا نفسانی تعلق کی بنا پر کریں۔ ان کے کاروبار، ان کے لین دین، ان کے معاملات اور تعلقات، ان کا اپنے بال بچّوں، اپنے خاندان، اپنی سوسائٹی اور اپنے اہلِ معاملہ کے ساتھ برتاؤ سب کا سب ایک بڑی حد تک دین سے آزاد اور دنیوی حیثیتوں پر مبنی ہو۔ ایک زمیندار کی حیثیت سے، ایک تاجر کی حیثیت سے، ایک حکمران کی حیثیت سے، ایک سپاہی کی حیثیت سے، ایک پیشہ ور کی حیثیت سے اُن کی اپنی

ایک مستقل حیثیت ہو جس کا اُن کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ پھر اس قسم کے لوگ مل کر اجتماعی طور پر جو تمدنی، تعلیمی اور سیاسی ادارے قائم کریں وہ بھی ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے خواہ جزئی طور پر متاثر یا منسوب ہوں لیکن فی الواقع اُن کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔

دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں۔ ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں۔ وہ باپ ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، تاجر، زمیندار، مزدور، ملازم یا پیشہ ور ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے۔ ان کے جذبات، اُن کی خواہشات، اُن کے نظریات، اُن کے خیالات اور اُن کی رائیں، ان کی نفرت اور رغبت، ان کی پسند اور ناپسند سب کچھ اسلام کے تابع ہو۔ ان کے دل و دماغ پر، ان کی آنکھوں اور کانوں پر، ان کے پیٹ اور ان کی شرمگاہوں پر اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے جسم و جان پر اسلام کا مکمل قبضہ ہو۔ نہ ان کی محبت اسلام سے آزاد ہو، نہ دشمنی۔ کسی سے ملیں تو اسلام کے لیے ملیں اور کسی سے لڑیں تو اسلام کے لیے لڑیں۔ کسی کو دیں تو اس لیے دیں کہ اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ اسے دیا جائے اور کسی سے روکیں تو اس لیے روکیں کہ اسلام یہی کہتا ہے کہ اس سے روکا جائے۔ اور ان کا یہ

طرزِ عمل صرف انفرادی حد تک ہی نہ ہو، بلکہ ان کی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام کی بنیاد ہی پر قائم ہو۔ بحیثیت ایک جماعت کے ان کی ہستی صرف اسلام کے لیے قائم ہو اور ان کا سارا اجتماعی برتاؤ اسلام کے اصولوں ہی پر مبنی ہو۔

یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چاہے قانونی حیثیت سے دونوں ایک ہی اُمت میں شامل ہوں اور دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہوتا ہو۔ پہلی قسم کے مسلمانوں کا کوئی کارنامہ تاریخِ اسلام میں قابلِ ذکر یا قابلِ فخر نہیں ہے۔ انہوں نے فی الحقیقت کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس نے تاریخِ عالم پر کوئی اسلامی نقش چھوڑا ہو۔ زمین نے ایسے مسلمانوں کا بوجھ کبھی محسوس نہیں کیا ہے۔ اسلام کو اگر تنزل نصیب ہوا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی بدولت ہوا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی کثرت مسلم سوسائٹی میں ہو جانے کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہوا کہ دنیا کے نظامِ زندگی کی باگیں کفر کے قبضے میں چلی گئیں اور مسلمان اُس کے ماتحت رہ کر صرف ایک محدود مذہبی زندگی کی آزادی پر قانع ہو گئے۔ خدا کو ایسے مسلمان ہرگز مطلوب نہ تھے۔ اس نے اپنے انبیاء کو دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا تھا، نہ اپنی کتابیں اس لیے نازل کی تھیں کہ صرف اس طرز کے مسلمان دنیا میں بنا ڈالے جائیں۔ دنیا میں ایسے مسلمانوں کے نہ ہونے سے کسی حقیقی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی

کمی نہ تھی جسے پورا کرنے کے لیے سلسلۂ وحی و نبوت کو جاری کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ درحقیقت جو مسلمان خدا کو مطلوب ہیں جنہیں تیار کرنے کے لیے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کی تنزیل ہوئی ہے اور جنہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے کبھی کوئی قابلِ قدر کام کیا ہے یا آج کر سکتے ہیں، وہ صرف دوسری ہی قسم کے مسلمان ہیں۔

یہ چیز کچھ اسلام ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں کسی مسلک کا جھنڈا بھی ایسے پیروؤں کے ہاتھوں کبھی بلند نہیں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے مسلک کے اقرار اور اس کے اصولوں کی پابندی کو اپنی کُل زندگی کے ساتھ صرف ضمیمہ بنا کر رکھا ہو اور جن کا جینا اور مرنا اپنے مسلک کے سوا کسی اور چیز کے لیے ہو۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مسلک کے حقیقی اور سچے پیرو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل و جان سے اس کے وفادار ہیں، جنہوں نے اپنی پوری شخصیت کو اُس میں گم کر دیا ہے اور جو اپنی کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنی جان اور اپنی اولاد تک کو اس کے مقابلہ میں عزیز تر نہیں رکھتے۔ دنیا کا ہر مسلک ایسے ہی پیرو مانگتا ہے اور اگر کسی مسلک کو دنیا میں غلبہ نصیب ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایسے ہی پیروؤں کی بدولت ہو سکتا ہے۔

البتہ اسلام میں اور دوسرے مسلکوں میں فرق یہ ہے کہ دوسرے مسلک اگر انسانوں سے اِس طرز کی فنائیت اور فدائیت اور وفاداری مانگتے ہیں

تو یہ فی الواقع انسان پر اُن کا حق نہیں ہے بلکہ یہ اُن کا انسان سے ایک بے جا مطالبہ ہے۔ اِس کے برعکس اسلام اگر انسان سے اِس کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اُس کا عین حق ہے۔ وہ جن چیزوں کی خاطر انسان سے کہتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو اور اپنی پوری شخصیت کو اُن پر تج دے، اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کا فی الواقع انسان پر یہ حق ہو کہ اُس کی خاطر انسان اپنی کسی شے کو قربان کرے۔ لیکن اسلام جس خدا کے لیے انسان سے یہ قربانی مانگتا ہے وہ حقیقت میں اِس کا حق رکھتا ہے کہ اُس پر سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ انسان خود اللہ کا ہے۔ جو کچھ انسان کے پاس ہے اور جو کچھ انسان کے اندر ہے سب اللہ کا ہے اور جن چیزوں سے انسان دنیا میں کام لیتا ہے وہ سب بھی اللہ کی ہیں۔ اِس لیے عین تقاضائے عدل اور عین مقتضائے عقل ہے کہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہو۔ دوسروں کے لیے یا خود اپنے مفاد اور اپنے نفس کے مرغوبات کے لیے انسان جو قربانی بھی کرتا ہے وہ دراصل ایک خیانت ہے، اِلّا یہ کہ وہ خدا کی اجازت سے ہو۔ اور خدا کے لیے جو قربانی کرتا ہے فی الحقیقت وہ ادائے حق ہے۔

لیکن اس پہلو سے قطع نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے اُن لوگوں کے طرزِ عمل میں ایک بڑا سبق ہے جو اپنے باطل مسلکوں کی خاطر اور اپنے نفس کے جھوٹے معبودوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر رہے ہیں اور اُس استقامت کا ثبوت

دے رہے ہیں جس کی نظیر مشکل ہی سے تاریخِ انسانی میں ملتی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہو گی اگر باطل کے لیے انسانوں سے ایسی کچھ فدائیت اور فنائیت ظہور میں آئے اور حق کے لیے اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ ہو سکے۔

ایمان و اسلام کا یہ معیار جو اِس آیت اور اِس حدیث میں بیان ہُوا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنے آپ کو اس پر پرکھ کر دیکھیں اور اس کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے تو دیکھیے کہ آیا فی الواقع آپ کا جینا اور مرنا خدا کے لیے ہے ؟ کیا آپ اِسی لیے جی رہے ہیں اور آپ کے دل اور دماغ کی ساری قابلیتیں، آپ کے جسم اور جان کی ساری قوتیں، آپ کے اوقات اور آپ کی محنتیں کیا اِسی کوشش میں صرف ہو رہی ہیں کہ خدا کی مرضی آپ کے ہاتھوں پوری ہو اور آپ کے ذریعہ سے وہ کام انجام پائے جو خدا اپنی مسلم اُمّت سے لینا چاہتا ہے ؟ پھر کیا آپ نے اپنی اطاعت اور بندگی کو خدا ہی کے لیے مخصوص کر دیا ہے ؟ کیا نفس کی بندگی، خاندان کی، برادری کی، دوستوں کی، سوسائٹی کی اور حکومت کی بندگی آپ کی زندگی سے بالکل خارج ہو چکی ہے ؟ کیا آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے ؟ پھر دیکھیے کہ واقعی آپ جس سے محبّت کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے ہیں ؟ جس سے نفرت کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے ہیں ؟ اور اِس نفرت اور محبّت میں آپ کی نفسانیت کا کوئی حصّہ شامل نہیں ہے ؟ پھر کیا آپ کا دنیا اور

روکنا بھی خدا کی خاطر ہو چکا ہے؟ اپنے پیٹ اور اپنے نفس سمیت دنیا میں آپ جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اِسی لیے دے رہے ہیں کہ خدا نے اُس کا حق مقرر کیا ہے اور اس کو دینے سے صرف خدا کی رضا آپ کو مطلوب ہے؟ اور اسی طرح جس سے آپ جو کچھ روک رہے ہیں وہ بھی اِسی لیے روک رہے ہیں کہ خدا نے اُسے روکنے کا حکم دیا ہے اور اس کے روکنے میں آپ کو خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کی تمنّا ہے؟ اگر آپ یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کیجیے کہ اس نے آپ پر نعمتِ ایمان کا اتمام کر دیا۔ اور اگر اس حیثیت سے آپ اپنے اندر کمی محسوس کرتے ہیں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اِسی کمی کو پورا کرنے کی فکر کیجیے اور اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر مرکوز کر دیجیے، کیونکہ اسی کسر کے پورے ہونے پر دُنیا میں آپ کی فلاح اور آخرت میں آپ کی نجات کا مدار ہے۔ آپ دُنیا میں خواہ کچھ بھی حاصل کر لیں اُس کے حصول سے اُس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اِس کسر کی بدولت آپ کو پہنچے گا لیکن اگر یہ کسر آپ نے پوری کر لی تو خواہ آپ کو دُنیا میں کچھ حاصل نہ ہو پھر بھی آپ خسارے میں نہ رہیں گے۔

یہ کسوٹی اِس غرض کے لیے نہیں ہے کہ اس پر آپ دوسروں کو پرکھیں اور ان کے مومن یا منافق، اور مُسلم یا کافر ہونے کا فیصلہ کریں۔ بلکہ یہ کسوٹی اس غرض کے لیے ہے کہ آپ اس پر خود اپنے آپ کو پرکھیں، اور آخرت کی عدالت میں جانے سے پہلے اپنا کھوٹ معلوم کر کے یہیں اسے دُور کرنے کی فکر فرمائیں۔

آپ کو فکر اس بات کی نہ ہونی چاہیے کہ دُنیا میں مفتی اور قاضی آپ کو کیا قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کی ہونی چاہیے کہ احکم الحاکمین اور عالم الغیب والشہادۃ آپ کو کیا قرار دے گا۔ آپ اِس پر مطمئن نہ ہوں کہ یہاں آپ کا نام مسلمانوں کے رجسٹر میں لکھا ہے، فکر اس بات کی کیجیے کہ خدا کے دفتر میں آپ کیا لکھے جاتے ہیں۔ ساری دُنیا بھی آپ کو سندِ اسلام و ایمان دے دے تو کچھ حاصل نہیں فیصلہ جس خدا کے ہاتھ میں ہے اُس کے ہاں منافق کے بجائے مومن، نافرمان کے بجائے فرمانبردار اور بے وفا کی جگہ وفادار قرار پانا اصل کامیابی ہے۔

خُدا کی اطاعت کس لیے ؟

برادرانِ اسلام، پچھلے کئی خطبوں سے مَیں آپ کے سامنے بار بار ایک ہی بات بیان کر رہا ہُوں کہ "اِسلام" اللہ اور رسُول کی اطاعت کا نام ہے، اور آدمی "مسلمان" بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کی، رسم و رواج کی، دُنیا کے لوگوں کی، غرض ہر ایک کی اطاعت چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت نہ کرے۔

آج مَیں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہُوں کہ اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت پر اس قدر زور آخر کیوں دیا جاتا ہے۔ ایک شخص پُوچھ سکتا ہے کہ کیا خُدا ہماری اطاعت کا بھُوکا ہے، نعوذ باللہ، کہ وہ ہم سے اس طرح اپنی اور اپنے رسُولؐ کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ، خدا بھی دُنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے کہ جیسے دُنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو اسی طرح خدا بھی کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو؟ آج مَیں اسی کا جواب دینا چاہتا ہُوں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ

انسان ہی کی فلاح و بہتری کے لیے کرتا ہے۔ وہ دُنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دُنیا کے حاکم اپنے فائدے کے لیے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں مگر اللہ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو آپ سے ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے۔ اسے کوٹھیاں بنانے اور موٹریں خریدنے اور آپ کی کمائی سے اپنے عیش کے سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ پاک ہے کسی کا محتاج نہیں۔ دُنیا میں سب کچھ اسی کا ہے، اور سارے خزانوں کا وہی مالک ہے۔ وہ آپ سے صرف اس لیے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے، یا کسی انسان کی غلام ہو، یا ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے، اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی بندگی کر کے اسفل السافلین میں جا گرے۔ اس لیے وہ فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو، ہم نے اپنے رسُولوں کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو، پھر تم کو سیدھا راستہ مل جائے گا، اور تم اُس راستہ پر چل کر دُنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کر سکو گے۔

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ

یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا سیدھا راستہ جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے

بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

(البقرہ۔ آیت: ۲۵۶-۲۵۷)

الگ کرکے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم میں سے جو کوئی جھوٹے خداؤں اور گمراہ کرنے والے آقاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں ان کا نگہبان اللہ ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں ان کے نگہبان ان کے جھوٹے خدا اور گمراہ کرنے والے آقا ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں جہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی اطاعت سے آدمی اندھیرے میں کیوں چلا جاتا ہے، اور اس کی کیا وجہ ہے کہ روشنی صرف اللہ ہی کی طاعت سے مل سکتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کی زندگی بے شمار تعلقات سے جکڑی ہوئی ہے۔ سب سے پہلا تعلق تو آپ کا اپنے جسم کے ساتھ ہے۔ یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ زبان، یہ دل و دماغ، یہ پیٹ، سب آپ کی خدمت کے لیے

اللہ نے آپ کو دیے ہیں۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے کس طرح خدمت لیں۔ پیٹ کو کیا کھلائیں اور کیا نہ کھلائیں؟ ہاتھوں سے کیا کام لیں اور کیا نہ لیں؟ پاؤں کو کس راستہ پر چلائیں اور کس راستہ پر نہ چلائیں؟ آنکھ اور کان سے کس قسم کے کام لیں اور کس قسم کے نہ لیں؟ زبان کو کن باتوں کے لیے استعمال کریں؟ دل میں کیسے خیالات رکھیں؟ دماغ سے کیسی باتیں سوچیں؟ ان سب خادموں سے آپ اچھے کام بھی لے سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ یہ آپ کو بلند درجے کا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر درجے میں پہنچا سکتے ہیں۔

پھر آپ کے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہیں۔ باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار ہیں جن سے آپ کا رات دن کا تعلق ہے۔ یہاں آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے آپ کس طرح کا برتاؤ کریں؟ ان پر آپ کے کیا حق ہیں اور آپ پر ان کے کیا حق ہیں؟ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک برتاؤ کرنے ہی پر دنیا اور آخرت میں آپ کی راحت، خوشی اور کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط برتاؤ کریں گے تو دنیا کو اپنے لیے جہنم بنا لیں گے، اور دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے بھی سخت جوابدہی آپ کو کرنی ہوگی۔

پھر آپ کے تعلقات دنیا کے بے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسائے ہیں کچھ آپ کے دوست ہیں کچھ آپ کے دشمن ہیں۔ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی خدمت کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جن کی آپ خدمت کرتے

ہیں کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا۔ کوئی آپ پر بھروسا کر کے اپنے کام آپ کے سپرد کرتا ہے کسی پر آپ بھروسا کر کے اپنے کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔ کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے آدمیوں کے ساتھ آپ کو رات دن کسی نہ کسی قسم کا معاملہ پیش آتا ہے جن کا آپ شمار نہیں کر سکتے۔ دنیا میں آپ کی مسرت، آپ کی کامیابی، آپ کی عزت اور نیک نامی کا سارا انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں، صحیح اور درست ہوں اسی طرح آخرت میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہیں جب اپنے مالک کے سامنے آپ حاضر ہوں تو اس حال میں نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو، کسی پر ظلم کیا ہو، کوئی آپ کے خلاف وہاں نالش کرے، کسی کی زندگی خراب کرنے کا وبال آپ کے سر ہو، کسی کی عزت یا جان یا مال کو آپ نے ناجائز طور پر نقصان پہنچایا ہو۔ لہٰذا آپ کو یہ فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات کو درست کس طرح رکھا جائے، اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کون سے ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

اب آپ غور کیجیے کہ اپنے جسم سے، اپنے گھر والوں سے اور دوسرے تمام لوگوں سے صحیح تعلق رکھنے کے لیے آپ کو ہر ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے قدم قدم پر آپ کو یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؛ حق کیا ہے اور باطل کیا؛ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا؛ کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور

کس پر آپ کا حق کتنا ہے؟ کس چیز میں حقیقی فائدہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان ہے؟ یہ علم اگر آپ خود اپنے نفس کے پاس تلاش کریں گے تو وہاں یہ نہ ملے گا اس لیے کہ نفس تو خود جاہل ہے اُس کے پاس خواہشات کے سوا دھرا کیا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ شراب پیو، حرام کھاؤ، کیونکہ اس میں بڑا مزا ہے۔ وہ تو کہے گا کہ سب کا حق مار کھاؤ اور کسی کا حق ادا نہ کرو، کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لے لیا سب کچھ اور دیا کچھ نہیں۔ وہ تو کہے گا کہ سب سے اپنا مطلب نکالو اور کسی کے کچھ کام نہ آؤ، کیونکہ اس میں نفع بھی ہے اور آسائش بھی۔ ایسے جاہل کے ہاتھ میں جب آپ اپنے آپ کو دیں گے تو وہ آپ کو نیچے کی طرف لے جائے گا، اور آپ کی دنیا اور دین دونوں خراب ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نفس کے بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر بھروسا کریں اور اپنی باگ اُن کے ہاتھ میں دے دیں کہ جدھر وہ چاہیں اُدھر لے جائیں۔ اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ ایک خود غرض آدمی کہیں آپ کو خود اپنی خواہش کا غلام نہ بنا لے۔ یا ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو اور آپ کو بھی گمراہ کر دے۔ یا ایک ظالم آپ کو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لیے آپ سے کام لے۔ غرض یہاں بھی آپ کو علم کی وہ روشنی نہیں مل سکتی جو آپ کو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی ہو اور دُنیا کی اس زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستہ پر چلا سکے۔

اس کے بعد صرف ایک خدائے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے جہاں سے

یہ روشنی آپ کو مل سکتی ہے۔ خدا علیم اور بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہی ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہے کہ آپ کا حقیقی نفع کس چیز میں ہے اور حقیقی نقصان کس چیز میں۔ آپ کے لیے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور کونسا غلط۔ پھر خداوند تعالیٰ بے نیاز بھی ہے۔ اس کی اپنی کوئی غرض ہے ہی نہیں۔ اُسے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ کو دھوکا دے کر کچھ نفع حاصل کرے اس لیے وہ پاک بے نیاز مالک جو کچھ بھی ہدایت دیگا بے غرض دیگا اور صرف آپ کے فائدے کے لیے دیگا۔ پھر خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے ظلم کا اس کی ذاتِ پاک میں شائبہ بھی نہیں ہے۔ اِس لیے وہ سراسر حق کی بنا پر حکم دے گا، اُس کے حکم پر چلنے میں اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ آپ خود اپنے اوپر، یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں

یہ روشنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے، اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ آپ اللہ پر، اور اس کے رسولؐ پر جس کے واسطہ سے یہ روشنی آ رہی ہے، سچے دل سے ایمان لائیں یعنی آپ کو پُورا یقین ہو کہ خدا کی طرف سے اس کے رسولِ پاکؐ نے جو کچھ ہدایت دی ہے وہ بالکل برحق ہے، خواہ اس کی مصلحت آپ کی سمجھ میں آتے یا نہ آتے دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ اُس کی اطاعت کریں، اس لیے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرض کیجیے ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز

زہر ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے، اُسے نہ کھاؤ۔ آپ کہتے ہیں کہ بے شک تم نے سچ کہا، یہ زہر ہی ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے مگر یہ جانتے اور ماننے کے باوجود آپ اس چیز کو کھا جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اِس کا نتیجہ وہی ہوگا جو نہ جانتے ہوئے کھانے کا ہوتا۔ ایسے جاننے اور ماننے سے کیا حاصل؟ اصلی فائدہ تو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب آپ ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں۔ جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر فقط زبان ہی سے آمَنَّا وَصَدَّقْنَا نہ کہیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں اور جس بات سے روکا گیا ہے، اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار ہی نہ کریں، بلکہ اپنے اعمال میں اس سے پرہیز بھی کریں۔ اسی لیے حق تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ، میری اطاعت کرو اور رسُول کی اطاعت کرو۔ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا، اگر میرے رسُول کی اطاعت کرو گے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ، وہ لوگ جو ہمارے رسُول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی آفت میں نہ پڑ جائیں۔

برادرانِ اسلام، یہ جو بار بار میں آپ سے کہتا ہوں کہ صرف اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کرنی چاہیے اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ آپ کو کسی آدمی کی بات ماننی ہی نہیں چاہیے۔ نہیں، دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ جو شخص

آپ سے کسی کام کو کہتا ہے وہ خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق کہتا ہے یا اس کے خلاف۔ اگر مطابق کہتا ہے تو اس کی بات ضرور ماننی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں آپ اس کی اطاعت کب کر رہے ہیں؟ یہ تو دراصل اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی اطاعت ہے۔ اور اگر وہ حکمِ خدا و رسولؐ کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات اس کے منہ پر دے ماریے خواہ وہ کوئی ہو، کیونکہ آپ کے لیے سوائے خدا اور رسولؐ کے کسی کے حکم کی اطاعت جائز نہیں ہے

یہ بات آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تو آپ کے سامنے آکر حکم دینے سے رہا! اس کو جو کچھ احکام دینے تھے وہ اس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے بھیج دیئے۔ اب رہے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپ بھی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے وفات پا چکے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے جو احکام خدا نے دیئے تھے وہ قرآن اور حدیث میں ہیں لیکن قرآن اور حدیث خود بھی چلنے پھرنے اور بولنے اور حکم دینے والی چیزیں نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے آئیں اور آکر کسی بات کا حکم دیں اور کسی بات سے روکیں۔ قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق آپ کو چلانے والے بہرحال انسان ہی ہوں گے۔ اس لیے انسانوں کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں۔ البتہ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انسانوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے نہ چلیں بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا، یہ دیکھیے کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق چلا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن و حدیث کے مطابق

چلائیں تو ان کی اطاعت آپ پر فرض ہے۔ اور اگر اس کے خلاف چلائیں تو ان کی اطاعت حرام ہے۔

دین اور شریعت

برادرانِ اسلام، مذہب کی باتوں میں آپ اکثر دو لفظ سُنا کرتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ ایک دین دوسرے شریعت۔ لیکن آپ میں سے بہت کم آدمی ہیں جن کو یہ معلوم ہوگا کہ دین کے کیا معنی ہیں اور شریعت کا کیا مطلب ہے۔ بے پڑھے لکھے تو خیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بلکہ بہت سے مولوی بھی یہ نہیں جانتے کہ ان دونوں لفظوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے اور ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت سے اور شریعت کو دین سے گڈمڈ کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج میں بہت سادہ الفاظ میں آپ کو ان کا مطلب سمجھاتا ہوں۔

دین کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرمانروائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اِس کے بالکل برعکس ہیں یعنی زیر دستی، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزا و سزا کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظِ دین انہی تینوں معنوں میں آیا ہے فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (آلِ عمران-۱۹)

یعنی خدا کے نزدیک دین وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو اپنا الٰہ مانے، اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے سوا کسی کا غلام، فرمانبردار اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے۔ اسی دین کا نام "اسلام" ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے ذلت سے سر جھکایا، اس کی بندگی اور غلامی کی، اس کا حکم مانا اور اس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ اور کی غلامی اور بندگی کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے، نہ اس مالکِ حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: آیت ۸۵)

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم ماننے لگا اور اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا، اور اس کو جزا و سزا دینے

والا سمجھے گا، اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اس لیے کہ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ

انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کا انہیں حکم ہی نہیں دیا ہے۔ ان کا تو فرض یہ ہے کہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے لیے اپنے دین، یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کر دیں، اور یکسو ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں، اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔

کیا انسان خدا کے سوا کسی اور کی غلامی اور فرمانبرداری کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرمانبردار ہیں، اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لیے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے۔ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لیے نکالنا چاہتا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

اللہ نے اپنے رسول کو سچے دین کا علم دے کر اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کر دے کہ وہ خداوندِ عالم

کے سوا کسی کا بندہ بن کر نہ رہے چاہے کفار و مشرکین اِس پر اپنی جہالت سے کتنا ہی واویلا مچائیں، اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

اور تم جنگ کرو تاکہ دُنیا سے غیر اللہ کی فرماں روائی کا فتنہ مٹ جائے اور دُنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے اور انسان صرف خدا کی بندگی کرے۔

اس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین کے کیا معنی ہیں:

خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا،

خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا۔

اور خدا کے حساب سے ڈرنا، اُسی کی سزا کا خوف کھانا، اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اُس کی کتاب اور اُس کے رسُولؐ کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے اس لیے رسولؐ کو خدا کا رسُولؐ اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

یعنی: اے بنی آدم! جب میرے رسُول تمہارے پاس میرے احکام لے کر

آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا، اس کے لیے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطہ سے بھیجتا ہے، اس لیے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو، وہ اس کی فرمانبرداری صرف اِسی طرح کر سکتا ہے کہ اُس کے رسولوں کی فرمانبرداری کرے، اور رسول کے ذریعہ سے جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔

اب مَیں آپ کو بتاؤں گا کہ شریعت کسے کہتے ہیں۔ شریعت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا، اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول اُسی کی طرف سے حاکمِ مجاز ہے، اور کتاب اُسی کی طرف سے ہے، تو تم دین میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے، اور اس کی فرمانبرداری میں جس راستہ پر چلنا ہے اس کا نام شریعت ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے۔ وہی یہ سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اِس طرح کرو، طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے، نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے، حقوق اِس طرح ادا کرنے چاہییں، معاملات یُوں انجام دینے چاہییں، اور زندگی اِس طرح بسر کرنی چاہیے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک تھا، ایک ہی رہا، اور اب بھی ایک ہی ہے۔ مگر شریعتیں بہت سی آئیں،

بہت سی منسوخ ہوئیں، بہت سی بدل گئیں، اور کبھی اُن کے بدلنے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوحؑ کا دین بھی وہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کا تھا، حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا تھا، حضرت شعیبؑ اور حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ کا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مگر شریعتیں ان سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ۔ حرام اور حلال کے احکام، طہارت کے قاعدے، نکاح اور طلاق اور وراثت کے قانون ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ ان کے باوجود سب مسلمان تھے۔ حضرت نوحؑ کے پیرو بھی، حضرت ابراہیمؑ کے پیرو بھی۔ حضرت موسیٰؑ کے پیرو بھی اور ہم بھی، اِس لیے کہ دین سب کا ایک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں فرق ہونے سے دین میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دین ایک ہی رہتا ہے، چاہے اُس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں۔

اس فرق کو یوں سمجھو کہ ایک آقا کے بہت سے نوکر ہیں۔ جو شخص اُس کو آقا ہی نہیں مانتا اور اس کے حکم کو اپنے لیے واجب التعمیل ہی نہیں سمجھتا، وہ تو نافرمان ہے اور نوکری کے دائرے ہی سے خارج ہے۔ اور جو لوگ اس کو آقا تسلیم کرتے ہیں، اس کے حکم کو ماننا اپنا فرض جانتے ہیں، اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں، وہ سب نوکروں کے زمرے میں داخل ہیں۔ نوکری [illegible] اور خدمت کرنے کے طریقے مختلف ہوں تو اس سے [illegible] ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر آقا

نے کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا ہے اور دوسرے کو دوسرا طریقہ، تو ایک نوکر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں نوکر ہوں اور وہ نوکر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آقا کا حکم سُن کر ایک نوکر اُس کا منشا کچھ سمجھتا ہے، اور دوسرا کچھ اور، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، تو نوکری میں دونوں برابر ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اور دوسرے نے صحیح مطلب سمجھا ہو۔ لیکن جب تک اطاعت سے کسی نے انکار نہ کیا ہو، کسی کو کسی سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو نافرمان ہے یا تجھے آقا کی نوکری سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اس مثال سے آپ دین اور شریعت کے فرق کو بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ مختلف رسُولوں کے ذریعے سے مختلف شریعتیں بھیجتا رہا۔ کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا اور کسی کو دوسرا طریقہ۔ ان سب طریقوں کے مطابق جن جن لوگوں نے مالک کی اطاعت کی وہ سب مُسلمان تھے، اگرچہ ان کی نوکری کے طریقے مختلف تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آقا نے حکم دیا کہ اب پچھلے طریقوں کو ہم منسوخ کرتے ہیں آئندہ سے جس کو ہماری نوکری کرنی ہو وہ اِس طریقے پر نوکری کرے جو اب ہم اپنے آخری پیغمبر کے ذریعہ سے بتلاتے ہیں۔ اِس کے بعد کسی نوکر کو پچھلے طریقوں پر نوکری کرنے کا حق باقی نہیں رہا، کیونکہ اب اگر وہ نئے طریقے کو نہیں مانتا اور پُرانے طریقوں پر چل رہا ہے تو وہ دراصل آقا کا حکم نہیں مانتا بلکہ اپنے دل کا کہا مان رہا ہے۔

اس لیے وہ نوکری سے خارج ہے یعنی مذہب کی زبان میں کافر ہو گیا ہے۔

یہ تو پچھلے انبیاء کے ماننے والوں کے لیے ہے۔ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو تو ان پر اس مثال کا دوسرا حصہ صادق آتا ہے۔ اللہ نے جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے اس کو خدا کی شریعت ماننے والے اور اسے واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں۔ اب اگر اس شریعت کے احکام کو ایک شخص کسی طرح سمجھتا ہے اور دوسرا کسی اور طرح، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں، تو چاہے ان کے عمل میں کتنا ہی فرق ہو، ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہوگا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقہ پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر تو چل رہا ہے کہ یہ آقا کا حکم ہے۔ پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا اور اس نے صحیح نہیں سمجھا۔ مگر وہ اس کو نوکری سے خارج کر دینے کا مجاز کیسے ہو گیا؟ جو شخص ایسی جرأت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ تو جس طرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور ہے اسی طرح میری سمجھ کو بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دوں گا۔ غور کرو یہ کتنی [illegible] ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص [illegible] کو ناحق کافر کہے گا اس کا قول

خود اُسی پر پلٹ جاتے گا"۔ کیونکہ مُسلمان کو تو خُدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے مگر یہ شخص کہتا ہے کہ نہیں، تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو، یعنی صرف خدا ہی تمہارا خدا نہیں ہے بلکہ مَیں بھی چھوٹا خدا ہُوں، اور میرا حکم نہ مانو گے تو مَیں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کر دوں گا چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے۔ ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے اس کے کہنے سے چاہے دوسرا مُسلمان کافر ہو یا نہ ہو مگر وہ خود تو اپنے آپ کو کُفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے۔

حاضرین، آپ نے دین اور شریعت کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا، اور یہ بھی آپ نے جان لیا ہو گا کہ بندگی کے طریقوں میں اختلاف ہو جانے سے دین میں اختلاف نہیں ہوتا، بشرطیکہ آدمی جس طریقہ پر عمل کرے نیک نیّتی کے ساتھ یہ سمجھ کر عمل کرے کہ خدا اور اس کے رسُولؐ نے وہی طریقہ بتایا ہے جس پر وہ عامل ہے، اور اُس کے پاس اپنے اِس طرزِ عمل کے لیے خدا کی کتاب یا اس کے رسُولؐ کی سنّت سے کوئی سند موجود ہو۔

اَب میں آپ کو بتانا چاہتا ہُوں کہ دین اور شریعت کے اِس فرق کو نہ سمجھنے سے آپ کی جماعت میں کتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں۔

مسلمانوں میں نماز پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک شخص سینے پر ہاتھ باندھتا ہے، اور دوسرا ناف پر باندھتا ہے۔ ایک شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے

اور دوسرا نہیں پڑھتا۔ ایک شخص آمین زور سے کہتا ہے، دوسرا آہستہ کہتا ہے۔ ان میں سے ہر شخص جس طریقہ پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر چل رہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور اس کے لیے وہ اپنی سند پیش کرتا ہے۔ اس لیے نماز کی صورتیں مختلف ہونے کے باوجود دونوں حضورؐ ہی کے پیرو ہیں۔ مگر جن ظالموں نے شریعت کے اِن مسائل کو دین سمجھ رکھا ہے انہوں نے محض انہی طریقوں کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھ لیا، اپنی جماعتیں الگ کر لیں، اپنی مسجدیں الگ کر لیں، ایک نے دوسرے کو گالیاں دیں، مسجدوں سے مار مار کر نکال دیا، مقدمے بازیاں کیں اور رسولؐ اللہ کی اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اِس سے بھی لڑنے اور لڑانے والوں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک نے دوسرے کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص قرآن سے یا حدیث سے ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے تو وہ اِس کو کافی نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اُس نے سمجھا ہے اس پر عمل کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسروں سے بھی اپنی سمجھ زبردستی تسلیم کرائے اور اگر وہ اسے تسلیم نہ کریں تو ان کو خدا کے دین سے خارج کر دے۔

آپ مسلمانوں میں حنفی، شافعی، اہلِ حدیث وغیرہ جو مختلف مذہب دیکھ رہے ہیں [illegible] آ [illegible] [illegible] سے احکام نکالے ہیں۔ ہو سکتا ہے [illegible] صحیح ہو اور دوسرے

کی غلط ہو۔ مَیں بھی ایک طریقہ کا پیرو ہوں اور اس کو صحیح سمجھتا ہوں، اور اس کے خلاف جو لوگ ہیں ان سے بحث بھی کرتا ہوں، تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ ان کو سمجھاؤں اور جس بات کو مَیں غلط سمجھتا ہوں اسے غلط ثابت کروں۔ لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اس کا دین سے خارج ہو جانا دوسری بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو جب تک وہ شریعت کو مانتے ہیں، وہ سب مسلمان ہی ہیں، ایک ہی امت ہیں، ان کی جماعتیں الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں، ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں، اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں، ایک دوسرے سے شادی بیاہ، میل جول اور ربط ضبط بند کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے ہم مذہبوں کے جتھے اس طرح بنا لیتے ہیں کہ گویا ہر جتھا ایک الگ امت ہے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس فرقہ بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک امت ہیں۔ ہندوستان[1] میں ان کی تعداد ۸۔۹ کروڑ ہے۔ اتنی بڑی جماعت اگر واقعی ایک ہو اور پورے اتفاق کے ساتھ خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کام کرے تو دنیا میں کون اتنا دم رکھتا ہے جو اس کو نیچا دکھا سکے۔

---

[1] یاد رہے کہ یہ خطبات قیامِ پاکستان سے پہلے کے ہیں۔

مگر حقیقت میں اِس فرقہ بندی کی بدولت اِس اُمت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ سخت سے سخت مُصیبت کے وقت میں بھی مل کر نہیں کھڑے ہو سکتے۔ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے والوں سے اُتنا ہی تعصّب رکھتا ہے جتنا ایک یہودی ایک عیسائی سے رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔ ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک فرقے والے نے دوسرے فرقے والے کو نیچا دکھانے کے لیے کفّار کا ساتھ دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر مسلمانوں کو آپ مغلوب دیکھ رہے ہیں تو تعجب نہ کیجیے۔ یہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ ان پر وہ عذاب نازل ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۔ (انعام، آیت ۶۵)

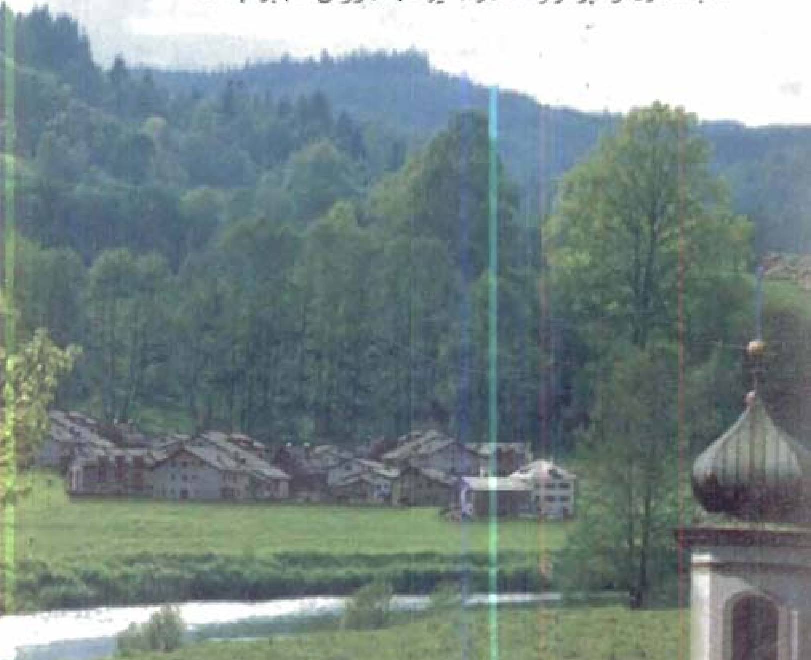
(یعنی اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ) وہ تم کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم کو ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھائے۔

بھائیو، یہ عذاب جس میں سارے ہندوستان کے مُسلمان مبتلا ہیں، اِس کے آثار مجھے پنجاب میں سب سے زیادہ نظر آ رہے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے فرقوں کی لڑائیاں ہندوستان کے ہر خطے سے زیادہ ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود آپ کی قوت بے اثر ہے۔ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان جتھوں کو توڑ دیجیے۔ ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہیے۔ اور ایک اُمت بن جایئے۔

خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر اہلِ حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی وغیرہ الگ الگ اُمتیں بن سکیں۔ یہ اُمتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اللہ نے صرف ایک اُمت "اُمتِ مُسلمہ" بنائی تھی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ
فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا
قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ صدق

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہلِ ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہُوا کہ اُن کی آبادی کے ہر حصّہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) باز آجاتے۔



مسلمانو! آئیں سب مل کر دُنیا بھر میں ابلاغ دین اور اقامت دین کے لیے ایسے ادارے اور جامعات بنائیں جہاں عام لوگ (مرد و خواتین) ہر مسلک اور فرقے سے قطعی بالاتر ہو کر دین کا فہم حاصل کریں۔